حضرت شہباز قلندر رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سید عثمان مروندیؒ المعروف حضرت لعل شہباز قلندرؒ اس فیض جاری کا نام ہے جس نے کفرستان ہند کو اپنی ضیاباریوں سے منور کیا، وحدانیت اور صداقت کا پرچار کیا اور بندگانِ خدا کو سچائی اور نیکی کی طرف دعوت دی۔

حضرت شہباز قلندرؒ نے ۵۳۸ھ میں ولادت پائی۔ اور ۲۱ شعبان ۶۷۳ھ میں سیہون میں وصال ہوا۔ اور آج بھی سیہون عرفان و آگہی کا مرکز ہے لیکن حضرت شہباز قلندرؒ کی ذات بابرکات کے بہت سے گوشے آج بھی تاریخ کے گمشدہ اوراق ہیں اور اردو میں کوئی ایسی دستاویز نہیں ملتی جو حضرت شہباز قلندرؒ کی حیات، تصورات او حلقۂ ارادت پر روشنی ڈال سکے۔ اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے ہم نے مشہور سندھی محقق میمن عبدالحمید سندھی کے ایک مقالہ کا پروفیسر سید معراج نیر سے نہ صرف ترجمہ کرایا ہے بلکہ حواشی میں بعض جگہ میمن عبدالحمید صاحب کے مقالے میں اضافے بھی کرائے۔ ہم یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتے۔ کہ یہ کتاب شہباز قلندرؒ پر حتمی کتاب ہے۔ لیکن اردو میں اس موضوع پر اسے نقطۂ آغاز ضرور قرار دیا جا سکتا ہے

(ناشر)

باسمہٖ تعالیٰ

شہباز قلندرؒ

سیرت و سوانح

میمن عبدالمجید سندھی

ترجمہ

سیّد معراج نیّر

مکتبہ عالیہ۔ ایبک روڈ، لاہور

۱۹۷۵ء

شہباز قلندرؒ

تصنیف — میمن عبدالمجید سندھی
مترجم — سیّد معراج نیّر

ناشر — کلیم نشتر
طابع — ندرت پریس لاہور
قیمت
۷ روپے

یکے از مطبوعات
مکتبۂ عالیہ ایبک روڈ (انارکلی) لاہور

والدِ مرحوم

سیّد گوہر حسین

کے اخلاقِ حسنہ کے نام

(مترجم)

ترتیب

مقدمہ

دورِ حاضر کی دنیا پر بالعموم اور اسلامی دنیا پر بالخصوص نظر دوڑائیں، تو بعض خیر ان کن حقائق بے نقاب ہو جاتے ہیں، بیسویں صدی عیسوی میں استعمار کے مختلف مظاہر دیکھنے میں آئے، استبداد کی اولا بدی ہوئی، عالم اسلام کے وسیع ترین علاقے، سامراج کے چنگل سے رہا ہوئے، مسلمان اقوام اپنی معاشی پستی سیاسی ضعف اور انتظامی خامیوں کے باوجود اپنے دین پر قائم ہیں، فرانسیسی استعمار نے اپنے عظیم مادی وسائل کا بھر پور استعمال کیا، لیکن شمالی افریقہ، اسلام کے راستے پر بدستور گامزن چلا آتا ہے۔ مسیحی مشنریوں کو اس علاقے میں ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، شمالی افریقہ میں اطالوی سلطنت نے بھی اپنی روحانی و دینی تبلیغ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ترغیب و ترہیب دونوں کو آزمایا، مسلمانوں کو ننگے بدن زدو کوب کر کے سمندر کے پانی میں پھینکا گیا۔ اور زخموں پر نمک پاشی کا یہ جدید مہذب طریقہ

دنیا کے سامنے رکھا، مسلمانوں کے شیوخ کو زدو کوب کر کے دھوپ میں ڈال دیا گیا تا آنکہ وہ بھوک اور پیاس کے مارے اس دنیا سے کوچ کر گئے، ایک اطالوی جرنیل نے مسلمانوں کے ایک عظیم اجتماع کے سامنے کلام پاک کے ایک نسخہ کو پیروں تلے روند ڈالا اور عرب لیگ کے عسکری مستشار اور دور جدید کے عظیم مؤرخ و عبقری جنرل محمود شیت خطاب کے بقول ان سے کہا کہ "مسلمانو، تمہاری پستی کا سبب یہی کتاب ہے سر بلندی چاہتے ہو تو اس کو چھوڑ دو۔" ان تمام کوششوں کے باوجود، شمالی افریقہ کا مسلمان با اعتماد و صاحبِ یقین مسلمان ہے۔ غیر متزلزل، ——— راقم الحروف نے لیبیا کے غیر آباد گرجے دیکھے، الجزائر کے وہ فارم دیکھے۔ جسے فرانسیسی چھوڑ کر چلے گئے، اور مراکش میں ان بربروں، کی اخوتِ اسلامی کے مظاہر دیکھے جنہیں نام نہاد مغربی محققین نے رنگ و نسل کے جذبات کے تابع کرنا چاہا اور یہ باور کرانا چاہا کہ نسلی اعتبار سے بربر، اہل یورپ سے اقرب ہیں، اور عرب مسلمانوں سے بہت دور۔ ——— اسلام کی اس تمام کامیابی کا راز کیا تھا؟ کیا ہے؟ اس کا جواب مجھے غالباً اس روز ملا، جب میں طنجہ (TANGIER) پہنچا، اور ابن بطوطہ کی قبر پر حاضری دی، میں اپنی طرف سے محض ایک عظیم سیاح کو خراجِ تحسین ادا کرنے کی نیت سے وہاں گیا تھا لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہاں کے لوگ ابن بطوطہ کو اہل اللہ میں شمار کرتے ہیں، ہر جمعرات کو وہاں مجالس ذکر منعقد ہوتی ہیں۔ پھر جب ابن بطوطہ کا سفر نامہ بالاستیعاب پڑھنے کا موقع ملا تو مراکشی بھائیوں کی اس عقیدت

کی وجہ سمجھ میں آ گئی، ابن بطوطہ کو مراکش سے روانگی سے قبل برصغیر کے بعض اولیائے کرام کے بارے میں بشارت دی گئی تھی۔ اور وہ ان راہوں سے گذرا تھا جو زیر نظر رسالہ میں متذکرہ بزرگوں کی قدمبوسی کا شرف حاصل کر چکی تھیں۔

شمالی افریقہ کے علاوہ جنوب مشرقی ایشیا میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں۔ جن کے آباء و اجداد کے لیے اسلام کی افواج قاہرہ سے نبرد آزما ہونے کا کبھی سوال ہی پیدا نہیں ہوا، ان کا دل موہنے والے، صوفی منش عرب تاجر، اور خود صوفیائے کرام تھے، برصغیر ہند، سری لنکا، اور دیگر ممالک کے اکثر و بیشتر ساحلی علاقے ان قدسی صفات بزرگوں سے فیضیاب ہوئے، وہاں نہ خون بہا، نہ جزیہ کا ذکر آیا، نہ لشکر کشی ہوئی، نہ فتنہ ارتداد نے سر اٹھایا، نہ الحاد و زندقہ کی سرکوبی کی نوبت آئی۔ خود برصغیر ہند میں مسلمانوں کا اقلیت میں رہ جانا یہ ثابت کرتا ہے کہ تبلیغ اسلام میں تلوار کو وہ دخل حاصل نہ تھا جو لاہور، اوچ شریف، ملتان اجمیر شریف، اور سہون شریف، میں نصب شدہ روحانی اسلحہ خانوں کو حاصل تھا۔ آج تجدد کے علمبردار یہ کہتے ہیں کہ تصوّف کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، یہ ایک غیر اسلامی تصور ہے، غیر اسلامی طرز حیات ہے۔ یہ ہندو مت، بدھ مت، اور دیگر آریائی اثرات کے نتیجہ میں وجود پذیر ہوا، لیکن اگر تصوّف اسلام سے خارج ہے تو اہل تصوف نے اسلام کا پرچار کیوں کیا؟ لوگ صوفیائے کرام کے توسط سے مسلمان کیوں ہوئے؟ انہوں نے کوئی اور دین قبول کیوں نہ کیا؟

اور اگر تصوف غیر اسلامی ہے تو اِن آنکھوں نے یورپ کے مختلف مقامات پر مجالس ذکر کیونکر دیکھیں اور یورپی ذہن کو اسلام پر ایمان لانے کی ترغیب' اس دَور میں تصوف کے ذریعہ کس طرح ممکن ہو سکی؟ یورپی اہل علم کی شیخ مولائی الدرقاوی شیخ علی سنوسی الکبیر اور شیخ احمد العلوی کی تعلیمات سے دلچسپی کے کیا معنی ہیں؟ ان آنکھوں نے اندلس میں مسلمانوں کے بسائے ہوئے شہروں کے کھنڈر دیکھے اور بعض ایسے کھنڈر دیکھے جو محض جدید طریقوں سے ظاہر ہو سکے ہیں' وہ تمدن ختم ہو گیا' سائنسی میراث' نظروں سے اوجھل ہو گئی' لیکن یورپ میں اب اسی دَور سے دلچسپی بڑھ گئی ہے اور ایک نومسلم انگریز محقق ڈاکٹر آسٹن نے شیخ الاکبر محی الدین ابن عربیؒ کے رسائل کی تدوین و ترجمہ کے ذریعے (SUFIS OF ANDALUSIA) صوفیائے اندلس کے حالات و تعلیمات کو نہایت معیاری انداز میں محض چار برس پیشتر لندن سے شائع کیا ہے' اور ڈاکٹر آسٹن اس میدان میں اکیلے نہیں' اندلس کا ذکر اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس کا سندھ سے خاص تاریخی رشتہ ہے۔ جدید علمی تحقیقات سے یہ امر بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ سندھی موسیقی نے اندلس کی موسیقی کو متاثر کیا تھا اور یہ تاثر محض تکنیکی نہیں تھا بلکہ اس کی حدود وسعت کا تعین بلند ہمت اہل علم کو مزید تحقیق و تدقیق کی طرف دعوت دے رہا ہے' قرطبہ میں گہرے نیلے اور فیروزی رنگوں کو وہاں کے فنِ تعمیر میں تزئین و آرائش کے اہم عنصر کے طور پر دیکھنے کے بعد' جب سندھ

اور ملتان میں، وہی رنگ وہی انداز، وہی اسلوب دیکھنے کا اتفاق ہُوا، تو سندھ اور اندلس کی ہم آہنگی اور صوفیائے کرام کے فیضان کی ہمہ گیری، ایک عظیم کرامت کے طور پر دل و دماغ پر منقوش ہو گئی۔

یہ آج سے چھ برس پیشتر کا واقعہ ہے کہ راقم الحروف کو سہون شریف حاضر ہونے کا شرف حاصل ہُوا، اس وقت کے مغربی پاکستان بورڈ آف ریونیو، میں ایڈیٹر گزیٹئر کی حیثیت سے، سندھ اور بلوچستان میں متعدد مقامات دیکھنے کا موقع مِلا، ذاتی و طبعی رجحان کے تحت مقاماتِ مقدسہ پر حاضری سے مجھے خاص دلچسپی تھی۔ سہون شریف میں حاضری کے وقت موسم بھی گرمی کا تھا، یورپ میں طویل قیام کے بعض اثرات زائل نہیں ہُوئے تھے، تاہم جب حضرت لعل شہباز قلندرؒ کی بارگاہ میں قدم رکھا تو طبیعت پر ایک ناقابلِ بیان ہیبت طاری ہُوئی۔ سہون شریف کی گلیوں میں مراکش کے شہر، مکناس اور فاس بہت یاد آئے، اور دھمال کی کیفیت کا تو پوچھنا ہی کیا؟ عین ممکن ہے کہ بعض رسوم میں غلو کا عنصر غالب آگیا ہو، یہ بھی تصور میں آسکتا ہے کہ بعض لوگ اپنی نفسانی خواہشات کو روحانیت پر مقدم گردانتے ہوں، لیکن یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ دھمال کا پیدا کردہ سوز و گداز اور رعب و دبدبہ شیطنت کا قلع قمع کرتا ہے۔ اور ہر نیک نیت طالب کی منازل کو آسان کرنے میں مدد دیتا ہے

انسان بہت خود غرض واقع ہُوا ہے۔ وہ کسی ایسی چیز کے لیے تکلیف نہیں

اُٹھاتا، جس سے جلبِ منفعت یا دفعِ مضرت کی حقیقی توقع نہ ہو، پھر انسان اپنے مجربات اور آزمودہ تجربوں سے ضرور استفادہ کرتا ہے۔ کیونکہ زندگی لامحدود نہیں، اور آئے دن نت نئے تجربے کرنا انسان کے بس میں بھی نہیں اور اس کی مصلحت سے بھی بعید ہے۔ لہٰذا وہ آزمودہ نسخوں سے کام لیتا ہے، اپنی مشکل آسان اور اپنا بوجھ ہلکا کرتا ہے۔ بزرگانِ دین کے مزاروں پر حاضری اصولاً شرک کی غرض سے نہیں ہوتی، توہمات کے اتباع کے طور پر نہیں ہوتی، بلکہ ہم وہاں ایک ایسی فضا میں پناہ لیتے ہیں، جہاں زمان و مکان کی گھٹن اپنی تمام سخت گیری کے ساتھ کارفرما نہیں ہوتی۔ جہاں ہم نیا عزم حاصل کرتے ہیں۔ نئی امیدوں اور امنگوں سے مالامال ہوتے ہیں، اللہ کی طرف ہماری توجہ، سچی اور پوری توجہ بن جاتی ہے پھر ہر مزار کی برکت کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے ایک خاص ذائقہ ہوتا ہے۔ سیہون شریف میں جلالِ الٰہی جلوہ فرما ہے جو سراپا جمال و سراپا رحمت ہے اس لیے کہ آنِ واحد میں آلائش و معصیت کے انبار نذرِ آتش ہو جاتے ہیں، اور نیک نیت، نیک دل اور نیک بیں زائر گناہوں کے بوجھ سے رہا ہو جاتا ہے اور درحقیقت زیارت کی برکت سے ایک نیا انسان جنم لیتا ہے یہ الگ بات ہے کہ PETER MAYUR جیسے غیر ثقہ مصنف SAINTS OF SIND جیسی غیر متین کتابوں میں تضحیک و استہزاء کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

امریکہ، یورپ، افریقہ، ایشیا میں دن بدن اسلام کی ترویج و اشاعت وسطی ایشیا میں رُوسی استعمار کے غلبہ و استبداد کے باوجود مسلمانوں کی اپنے ماضی سے وابستگی آبائی طور پر اسلامی ممالک میں بے عملی و بدعملی کے باوجود عامۃ الناس کا صوفیائے کرام سے تعلقِ خاطر اس امر کی قطعی شہادت کے لیے کافی ہے کہ عالم اسلام کی وحدت بالآخر انہی بزرگوں کے طفیل وجود میں آئے گی جن کے تصدق میں اسلام چار دانگِ عالم میں پھیلا تھا اور اس نئی روحانی تحریک میں سہون شریف جیسے مقامات مقدسہ کو ایک خاص کردار ادا کرنا ہوگا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی اس میراث کی ترتیب و تدوین اس انداز سے کریں کہ ہمارے معاشرے کے مختلف طبقات اپنے اپنے فرض کا احساس کریں، اہل علم حضرات پر ایک خصوصی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کم و بیش تین صدیوں کی غلامی نے جس کے مظاہر محض عسکری و سیاسی ہی نہیں تھے، ہمیں کچھ ایسا بدل کر دیا ہے اور اس کے باعث کچھ ایسی مغلوبیت و مرعوبیت ہمارے اندر آگئی ہے کہ ہم اپنی علمی میراث کو بھی مستشرقین کی نظر سے دیکھتے ہیں حقائق کو حقائق کے طور پر نہیں دیکھتے، ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ حقیقت حواس خمسہ تک محدود نہیں، ہم یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ انسانوں

کی ہدایت کے لیے دینِ واحد کے اندر مختلف مدارج مختلف طُرق، اور مختلف اسالیب نہ صرف یہ کہ ممکن ہیں بلکہ لابُدی ہیں۔ ظاہر بینی ہمیں امزجہ و طبائع کی اس گوناگونی سے غافل کر دیتی ہے اور ہم ہر چیز کو اسی ایک میزان سے تولتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات اب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ بزرگانِ دین کی شخصیتیں اپنے تنوّع کی بدولت ہماری جملہ روحانی ضروریات کی تکمیل کا باعث بنتی ہیں ——— مجذوبیت و قلندری سُکر کا مظہر ہے اربابِ سُکر سماجی نفاق اور مستعاد دو رُخے پن پر ضربِ کاری لگاتے ہیں، رسوم و عادات کو تہس نہس کرتے ہیں اور محض حُسنِ نیّت اور اخلاص کو باقی رہنے دیتے ہیں۔ سُکر یا قلندری کی تاریخ اُتنی ہی پُرانی ہے، جتنی کہ تصوف کی تاریخ اور تصوف اُتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ اسلام۔ اور اسلام تو ہمیشہ سے ہے اور ہر کہیں ہے۔ بہرحال اپنی آخری اور کامل و اکمل شکل میں جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ و ارفع مثال کے ذریعہ یہ دنیا میں جلوہ گر ہُوا تو اس کے مختلف مظاہر کا سلسلہ بھی خیر القرون سے شروع ہُوا، اس میں کسی غیر اسلامی ازم یا فلسفہ کو کوئی دخل نہیں۔ قلندری یا سُکر کی حقیقت اور اس کی مثالیں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی مہتم بالشان تصنیف حُجۃ اللہ البالغہ میں شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمائی ہیں۔ یہاں ہم ان کی طویل بحث میں سے محض چند ابتدائی سطور کے اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں! "من جملہ احوال قلب کے ایک سُکر ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایمان کا نُور پہلے عقل میں اور پھر قلب میں مشتمل ہو کر اس حد تک غالب آجائے کہ وہ دنیا کے مصالح اور اس کے نفع نقصان کو بھول جائے اور ایسی چیزوں سے محبت کرنے لگے جن سے کہ انسان حسبِ معمول طبعاً محبت نہیں کرتا ہے۔ اس کی حالت اس شخص کے مشابہ ہوتی ہے جس پر نشہ چڑھا ہُوا ہو اور نشہ کی وجہ سے اس کی عقل اور پابندئ عادت میں تغیر آگیا ہو مثلاً ابوالدرداءؓ صحابی کہا کرتے تھے کہ "رب تعالیٰ سے ملنے کے شوق میں، میں موت کو محبوب سمجھتا ہوں، مرض کو اسلئے محبوب سمجھتا ہوں کہ اس سے گناہ دُور ہوتے ہیں، اور فقر اور مسکینی کو اسلئے محبوب سمجھتا ہوں کہ اس کی بدولت میں اپنے رب تعالیٰ و تقدس کے سامنے متواضع رہوں گا۔" یا جس طرح ابوذرؓ سے منقول ہے کہ وہ مال و دولت اور سیم و زر کو طبعاً مکروہ سمجھتے تھے اور تونگری کے وہ دشمن تھے، بعینہٖ جس طرح کسی پلید اور نجس چیز کو آدمی مکروہ سمجھتا اور اس سے نفرت کرتا ہے، ظاہر ہے کہ معمولی حالات میں اس قسم کی محبت اور نفرت دیکھنے میں نہیں آتی ہے۔ بات یہ ہے کہ ان دونوں جلیل القدر صحابیوں پر یقین کا اس قدر غلبہ تھا کہ ان میں غیر معمولی طور پر حب و بغض کے یہ جذبات پیدا ہو گئے تھے۔"

(ص - ۴۷ ہ حصہ دوم مترجمہ مولانا عبدالرحیم مرحوم)

درحقیقت یہ محض دو مثالیں ہیں ورنہ صدہا ایسے صحابہ کرام اسی قلندرانہ روش پر گامزن تھے، ان کے بعد بیشمار تابعین اور تبع تابعین، بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے، پھر ہر دور میں اس مسلک کے بزرگ ہوتے آئے ہیں۔ رابعہ العدویہ، منصور الحلاج، لعل شہباز قلندر، بو علی قلندر، سرمد، بلھے شاہ، سلطان باہو، محض چند نام ہیں۔ اور ان کی حیثیت و عظمت رمزیت کی حامل ہے۔ قلندری نے نہ صرف یہ کہ ہمارے معاشرے میں ریاکاری اور طبقاتی بے حسی کے خلاف مجاہدانہ سعی و عمل کو فروغ دیا، بلکہ ہماری فکری میراث کو بھی حق گوئی و بیباکی کے خزانوں سے بہرہ ور کیا۔
دور کیوں جائیے اقبال کی شاعری میں، قلندر اور قلندری کی رمزیت جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ یہ بھی، نفاق و خود پرستی کی قدیم عمارت کو مسمار کرنے کی فکری مہم کا ایک اہم حصہ تھی۔ یہاں محض چند مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

؎ قلندر جز دو حرفِ لا الٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہِ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

؎ ہزار خوف ہوں لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

سه خوش آگئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے، شاعری کیا ہے؟

غرضیکہ قلندری نے ہماری ثقافت میں ایک ایسے فکری و روحی ادارہ کو اُبھارا جس سے بے نفسی، بے لوث اظہارِ حق بے پناہ قناعت جیسی عظیم و لازوال اقدار پروان چڑھتی ہیں پھر خود قلندری کو محض ظواہر تک محدود نہیں رہنے دیا گیا، اسی لیے

ع نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

کی حیثیت ایک ضرب المثل کی سی ہے۔ پھر قلندری محض ایک شاعرانہ فکری بغاوت اور سماجی احتجاج تک محدود نہیں بلکہ شریعت محمدیہ حقہ کی تائید کے ساتھ یہ اُمتِ محمدیہ کی مجموعی نصرت میں بھی معاون نظر آتی ہے۔ مذاقِ قلندری کا اعتراف، اہلِ شریعت، صوفیاء نے بھی کیا ہے اور اس کی تازہ مثال حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ کا یہ ارشاد ہے "رہِ قلندر ایک خاص اصطلاح ہے "قلندریہ" ایک طبقہ، اولیاء اللہ میں ہوتا ہے جو ایک خاص مذاق اور ایک مخصوص رنگِ نسبت سے مشرف ہوتا ہے جن اولیاء اللہ کو ہر وقت حق تعالیٰ شانہ، کے ساتھ ایک خاص کیفیت استحضاری نصیب ہو جاتی ہے۔ اور ان کے سر پر ہر وقت نسبت کا گویا ایک پہاڑ رکھا ہوتا ہے۔ ایسے حضرات بظاہر تکثیر نوافل اور تکثیر وظائف میں مشغول نظر نہیں آتے

ہیں، لیکن ان کے باطن پر کسی وقت غفلت اور ذہول نہیں طاری ہوتا ہے۔ یہ حضرات تکثیرِ اوراد اور وظائف سے زیادہ اس امر کا اہتمام رکھتے ہیں کہ قلب ایک لمحہ کو بھی حق تعالیٰ شانہٗ سے غافل نہ ہو۔ اسی مذاق کا نام مذاقِ قلندری ہے۔" (معرفتِ الٰہیہ، صفحہ ۱۱۱)

معرفتِ الٰہیہ کی اسلامی روایت کے سیاق و سباق میں حضرت لعل شہباز قلندرؒ کی ذاتِ گرامی کے مزید ایک اور پہلو پر قدرے بحث کی گنجائش باقی ہے۔ آج جب کہ اشتراکی فکر و عمل کی تاثیر و ترویج کے باعث 'سُرخ رنگ' کو کمیونزم کے لیے مختص کر دیا گیا ہے، ہم یہ کیوں بھول گئے کہ 'لعل بدخشاں' معرفت کی مئے ارغوانی، 'ربِّ فیاض کے لطف و کرم کے مظہر' ایاغ گلِ سُرخ خونِ شہداء کی لالی، اندلس کا الحمراء اور سلطنتِ عثمانیہ کے لیے اقبالؒ کی ترکیب کُلاہِ لالہ رنگ محض چند مثالیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سُرخ رنگ کی رمزیت کس حد تک ہمارے علم و ادب اور تاریخ و تمدن میں فائق و رائج چلا آتا ہے۔ نیز شمائل ترمذی میں مذکور ہے کہ حضورؐ نے سُرخ لباس بھی زیبِ تن فرمایا۔ غزوۂ بدر میں جس صحابی کے تبختر کو سراہا گیا، انکے سر پر سُرخ رومال بندھا تھا۔ فتح مکّہ کے وقت بھی سرخ رنگ کو جنابِ رسالتمآبؐ کی رفاقت کا شرف حاصل تھا۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہم "ایشیا سرخ ہے" سے استمداد کریں اور شہدائے کربلا کو فراموش

کردیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے تفکّر و تدبّر کو ترک کر دیا ہے ورنہ ہمارے بزرگوں نے جن اشیاء کی رمزیت (SYMBOLISM) میں مکاتب و مسالک کی بنا ڈالی اس سے دورِ جدید کے عظیم مفکّر بھی اکتسابِ فیض کر رہے ہیں۔ یورپ کے عظیم ترین مفکّر، جو تقابل و مقارنہ ادیان پر عالمِ بے بدل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور جن کی تصانیف کے مطالعہ سے اہلِ یورپ میں تصوّف سے گہری وابستگی کا رجحان روز افزوں ترقی کر رہا ہے موسیو (FRITHJOF SCHUON) ہیں، آپ نے رنگوں کی روحانی خصوصیات پر جو تبصرہ کیا ہے، اس سے انتہائی اختصار کے ساتھ، ہم سرخ رنگ کی رمزیت یہاں اخذ کریں گے۔ سرخ رنگ جذبہ کا رنگ ہے موجودہ لمحہ کا رنگ ہے۔ غلبہ کا رنگ ہے۔ مجاہد کا رنگ ہے۔ شہید کا رنگ ہے۔ بالفاظِ دیگر، ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مولائے کل سیدنا امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا رنگ ہے۔ جنہوں نے قلندری کی عظیم ترین مثالیں چھوڑی ہیں۔ آج ضرورت ہے کہ ہم سہون شریف کے راستہ خاکِ مدینہ و نجف کو اپنی آنکھ کا سُرمہ بنائیں اور ملّت کی کشتی کو الحاد و کفر کے منجدھار میں سے نکال کر ساحلِ مراد سے ہمکنار کریں۔

یہی حضرت لعل شہباز قلندرؒ کا پیغام ہے، جس کے حسین نقوش، ہمیں زیرِ نظر فاضلانہ رسالہ میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ ے

جامِ مہرِ علیؑ ز و رد ستم
بعد از جام خوردہ ام ، مستم
کمر اندر قلندری بستم
از دلِ پاکِ حیدری ، ہستم
حیدری ام ، قلندرم مستم
بندۂ مرتضیٰ علی ، ہستم

جعفر قاسمی
(سابق ڈائریکٹر مطبوعات ، محکمۂ اوقاف)

پیش لفظ

- "آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دینِ اسلام کو پسند کیا۔"

- "تم کو لازم ہے کہ میرا یہ کلام اُن لوگوں تک پہنچا دو جو یہاں موجود نہیں —— اکثر لوگ روایتاً کلام کو سُن کر ان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں جو خود اپنے کانوں سے سنتے ہیں۔"

مندرجہ بالا اقتباسات سرورِ کائنات، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ الفاظ ہیں جو ۹ ذوالحجہ سنہ ۱۰ھ عرفات کے میدان سے گونج کر ساری کائنات کو آج بھی منور کر رہے ہیں، اور تاریخِ اسلام کے ہر عہد میں فرزندانِ توحید کلمہ حق بلند کرتے رہے اور دیکھتی آنکھوں مراکش کی پہاڑیوں

سے انڈونیشیا کے جزائر تک ہمارے نبیؐ کے آخری کلام سے فضائیں گونجتی رہیں مجاہدین کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے دشت و بیابان کے سینے چاک ہوتے رہے ان کی ہیبت سے پہاڑ رائی اور سمندر سمٹتے گئے لیکن ان لشکروں کے علاوہ مبلغین کی ٹولیاں، صوفیوں کے گروہ، قلندروں کے قافلے اور فقیروں کی کملیاں بھی عشقِ رسولؐ میں رچی بسی نت نئے سومنات پاش پاش کر کے دلوں کو روشن کرتی رہیں اور تاریخ کے ابواب آج بھی اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ موخر الذکر طبقہ نے اپنے خدا کا کلام ان لوگوں تک احسن طریقہ سے پہنچایا جو "عرفات" میں موجود نہ تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد بن قاسم، محمد غوری، محمود غزنوی اور ظہیر الدین بابر نے بت پرست برہمن سامراج کے طلسم کو پاش پاش کر دیا لیکن عوام الناس کے دلوں کی عمیق گہرائیوں میں اسلام کی شمع روشن کرنے میں بوعلی قلندرؒ، معین الدین چشتیؒ، داتا علی ہجویریؒ، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ، شاہ رکن عالمؒ، فرید الدین شکر گنجؒ، علی احمد صابر کلیر شریفؒ اور شہباز قلندرؒ جیسے بزرگوں کا بڑا ہاتھ ہے۔

لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ ہماری تاریخیں بادشاہوں کے درباروں، راجاؤں کی سبھاؤں اور حکمرانوں کی داستان سرائی سے آگے نہ بڑھیں اور صوفیا کرام، فقراء، قلندروں اور عوام الناس کے کارناموں کو زیادہ اجاگر نہ کر سکیں۔

علاقائی بالخصوص اُردو جیسی ترقی یافتہ زبان میں بھی اکا دکا کتابوں کے علاوہ ان موضوعات پر مواد یکجا نہیں ملتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فارسی میں چند

نادر چیزیں ان عنوانات پر مل جاتی ہیں لیکن آج فارسی کی وہ حیثیت نہیں رہی جو کہ پہلے تھی اور اسی لیے فارسی کی پہنچ اور گرفت اب ڈھیلی پڑ چکی ہے۔

حضرت شہباز قلندرؒ پر ایک عرصہ سے قلم اٹھانے اور مواد اکٹھا کرنیکا ارادہ تھا لیکن کبھی مواد کی کمیابی اور کبھی گردش لیل و نہار نے اس دیرینہ خواہش کو پورا نہ ہونے دیا۔ اس زمانہ میں جبکہ میں ایم اے کے لیے سندھ پر تحقیقی کام کر رہا تھا تو میری میمن عبدالمجید سندھی صاحب سے ملاقاتیں رہیں۔ بر سبیلِ تذکرہ شہباز قلندرؒ کا ذکر آیا تو انہوں نے مجھے اپنا مطبوعہ مقالہ دیا اور کہا کہ اگر مقصد صرف پیسہ کمانا نہ ہو بلکہ عقیدتاً کچھ لکھنا ہو تو میں ان کی کتاب کا ترجمہ کر سکتا ہوں۔ یہی میرے دل کی مراد تھی سو پوری ہوئی۔

میمن عبدالمجید سندھی، سندھ کے نامور محقق اور علمی، ادبی، دینی اور تحقیقی موضوعات پر بہت سی کتب کے مصنّف ہیں۔ سندھ کی تاریخ کے نشیب و فراز پر اُن کی گہری نظر ہے۔ موصوف نے بڑی کاوش سے حضرت لعل شہباز قلندرؒ پر بکھرے ہوئے مواد کو تحقیق کی میزان پر جمع کیا ہے جس سے شہباز قلندرؒ کی زندگی کے بہت سے پہلو ہمارے سامنے آ گئے ہیں۔

میمن عبدالمجید سندھی نے یہ تحقیقی مقالہ ملتان کے رسالہ "آستانہ زکریا" کے سندھی حصے کے لیے قلمبند کیا تھا۔ اس کے بعد یہ مقالہ کتابی شکل میں سندھی میں شائع ہوا۔ عبدالمجید سندھی صاحب نے جب مجھے اپنی کتاب کا نسخہ دیا تو

میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر موصوف کی اس کتاب کا اُردو ترجمہ کر لیا جائے تو یقیناً شہبازؒ کے موضوع پر ایک اچھی کتاب کے خدوخال سامنے آسکیں گے۔

ترجمہ سے طباعت و اشاعت کی منزلوں تک جن احباب نے مجھ سے مشفقانہ تعاون کیا ان میں محترم جرار الموسوی بلیاد حسین نقوی ایم افضل قریشی کا شکریہ ادا نہ کرنا ناسپاس گزاری ہوگا۔ بعض کٹھن منزلوں پر ایک شخصیت نے خصوصی تعاون فرمایا ہے لیکن ان کے نام کے استعمال کرنے کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے غائبانہ تشکر پر ہی اکتفا کرنا پڑ رہا ہے۔

ترجمہ، تدوین اور تلخیص میں کس حد تک کامیابی نصیب ہوئی اس کا فیصلہ حضرت شہباز قلندرؒ کے ان شیدائیوں پر ہے جو قاری ہونے کے ساتھ ساتھ تحقیقی نظر بھی رکھتے ہیں۔

سید معراج نیرؔ

شعبۂ اُردو ۔ گورنمنٹ کالج لاہور

○



حضرت شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ



سوانح حیات

نام ولقب :

عام طور پر انہیں قلندر لعل شہبازؒ کہتے ہیں ۔ اصلی نام سید عثمان ہے اور باقی سب القاب ہیں :

۱۔ لعل ۲۔ شہباز ۳۔ سیف اللسان ۴۔ قلندر ۵۔ شمس الدین ۶۔ مہدی ۷۔ مخدوم

چونکہ عموماً لال رنگ کے کپڑے پہنے رہتے تھے اس لیے انہیں لعل کہا جاتا ہے ۔ ان کے ایک دوست حضرت جلال بخاری بھی سُرخ رنگ کے کپڑے پہنے رہتے تھے اور انہیں بھی مرشد نے یہی خطاب عطا کیا تھا ۔ مُرشد سے سید عثمان کو خلافت ملی تو انہیں "شہباز" خطاب سے یاد کیا جانے لگا ۔

"قلندر" کا لقب انہیں قلندری اختیار کرنے کی وجہ سے ملا جس کا تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا۔

"سیف اللسان" کا لقب اس لیے حاصل ہُوا کہ جو کچھ ارشاد فرماتے وہ پورا ہو جاتا تھا۔ مہدی کے کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کو یہ گمان ہُوا تھا کہ شاید آپ مہدی آخر الزماں ہیں۔ اس ضمن میں مشہور عالم اور محدث نواب سید صدیق حسن اپنی کتاب "حجج الکرامۃ فی آثار القیامہ" میں رقمطراز ہیں کہ حضرت قلندر شہباز پر مہدی ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ ان کی عبارت اس طرح ہے:

"گویم جماعتی در حق ایشان گمان مہدیت رفتہ۔ دو گونہ اند یکی اولیائی صلحائی ست۔ دیگر امرا اہل حکومت اول سید محمد نور بخش و شیخ ادریس رومی و شاہ نعمت اللہ ولی شہباز قلندر و اتباع او قلندر بنام دار نہ این مرد ہی صالح بود۔[1]

شمس الدین لقب انہیں تبلیغ اسلام کے صلہ میں ملا ہے۔[2] علوم ظاہری اور علوم باطنی میں مہارت رکھنے کی وجہ سے "مخدوم" کہا جاتا ہے۔

تذکرۃ الانساب، معراج الولایت اور مرات الکونین میں ہے کہ حضرت غوث بہاء الدین ملتانی نے مرید کرنے پر انہیں "قلندر شہباز" کا لقب دیا تھا لیکن یہ بات غیر مصدقہ ہے اور غالباً اس بات پر ہے کہ آپ بہاء الحق ملتانی کے ایک اچھے دوست تھے۔

---

[1] بحوالہ "قلندر نامہ" سندھی۔ ص ۲۸۵ [2] بحوالہ قلندر نامہ سندھی ص ۳۸

نسب نامہ:

آپ کا نسب امام جعفر صادقؓ سے ملتا ہے۔ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب "مآثر اکرام" میں لکھا ہے کہ آپ کی تیرھویں پشت امام جعفر صادق سے ملتی تھی۔

"لب تاریخ سندھ"[1] بین الکرام "کے دستخطی نسخہ میں بھی آپ کا سلسلہ تیرھویں پشت پر امام عالی مقام حضرت جعفر صادقؓ سے ملایا گیا ہے۔ "لب تاریخ سندھ" میں شجرہ اس طرح قلمبند کیا گیا ہے۔

حضرت عثمان مروندی (میمندی) عرف لعل شہباز بن سید کبیر بن سید شمس الدین بن سید نور شاہ بن سید محمود شاہ بن سید احمد شاہ بن سید ہادی بن سید مہدی بن سید منتخب بن سید غالب بن سید منصور بن سید اسماعیل بن امام جعفر صادقؓ۔

"قلندر نامہ سندھی"[2] کے مصنف نے "سید غالب" کے علاوہ باقی پورا شجرہ مندرجہ بالا شجرہ کے مطابق دیا ہے یعنی انہوں نے سید منتخب بن سید منصور لکھا ہے اور اس طرح ایک پشت کم کر دی ہے۔

---

[1] لب تاریخ سندھ، خداداد خاں۔

[2] قلندر نامہ سندھی، حکیم فتح محمد سیوہانی۔

تذکرہ صوفیائے سندھ کے مصنف اعجاز الحق قدوسی نے لب تاریخ سندھ کے قلمی نسخے سے شجرہ نقل کیا ہے اس میں "قلندر نامہ" کے برخلاف اضافہ موجود ہے یعنی سید اسماعیل بن امام جعفر صادقؓ تک مسلسل لائے ہیں - امام جعفر صادقؓ کے چھ فرزند تھے :

موسیٰ کاظمؓ، اسماعیلؓ، علیؓ، عمرؓ، محمدؓ، اسحاقؓ اور حسنؓ یعنی سید محمد کا نام انکے فرزندوں میں شامل تھا لیکن حضرت قلندر شہباز کے لیے مشہور ہے کہ یہ سید اسماعیل کی اولاد میں سے تھے اور سید اسماعیل کے فرزند کا نام سید محمد تھا۔

تحفۃ الکرام کے سندھی ترجمہ (ص ۲۴۹) میں سید کبیر الدین بن سید صدر الدین کا نام شامل ہے، ممکن ہے کہ یہ ترجمہ یا پھر طباعت کی غلطی ہو کیونکہ حاشیہ پر میر قانع کے دستخطوں سے جو شجرہ دیا گیا ہے اس میں سید کبیر بن سید شمس الدین ہی لکھا ہے اور مندرجہ بالا شجرہ سے مختلف ہو جاتا ہے۔ یعنی "سید شمس الدین بن محمد یحییٰ بن سید ـــــ بن سید محمد شاہ بن سید احمد شاہ بن سید ہادی بن سید مہدی بن سید غالب بن سید منصور بن ـــــ بن امام ـــــ محمد جعفر صادق علیہ السلام۔

بستان العارفین[۱] کے مصنف سید میر حسین علی شاہ نے جو شجرہ دیا ہے وہ ہو بہو قلندر نامہ کا شجرہ ہے یعنی ۱۲ پیڑی والا اور جس میں سید کبیر کے بجائے سید ابراہیم

۱۔ بستان العارفین: ۱۹۰۹ء : ص ۳۲

تحریر ہے۔

کتاب "تعارفِ ہند" کے شجرہ میں "ابراہیم کبیر الدین" تحریر ہے۔

قلندر نامہ کے مصنف نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ "ان کے والد سید ابراہیم کو "جوابی" بھی کہا جاتا تھا کیونکہ فارسی کی ایک کتاب میں تحریر ہے کہ سید کبیر کا گذر ایک دفعہ ایک صحرا سے ہُوا اور اس کے باوجود انہیں وضو اور غسل تک کے لیے پانی کی سہولت ملی، اس پر ان کے سائلوں اور طالب علموں نے سوال و جواب کیے اور آپ نے انہیں مطمئن کر دیا۔

ایک دوسری روایت ہے کہ سید کبیر سیر و سیاحت کے بہت شائق تھے اور جب امام حسینؑ کی زیارت پر کربلا معلیٰ تشریف لے گئے تو ان کے سوالات کا جواب میسر آیا اور شہدا کربلا کے مدفن سے علم عطا ہُوا چنانچہ ان کا لقب "جوابی" پڑ گیا۔

"تاریخ اولیاء گجرات" میں جو شجرہ ہے وہ تمام شجروں سے مختلف ہے۔ "تاریخ اولیاء گجرات" کا شجرہ اس طرح ہے:

"سید عثمان بن سید حسن بن سید محمود بن سید صدر الدین بن سید شہاب الدین بن نصیر الدین بن شمس الدین بن صلاح الدین بن اسلام الدین بن مومن شاہ بن خالو شاہ بن محب الدین بن محمد سبزواری بن عبدالمجید بن غالب الدین بن احمد بن منصور بن اسماعیل ثانی بن محمد بن اسماعیل اعراج اکبر بن امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1]

---

[1] الشہباز جلیل سیوہانی

خزینۃ الاصفیاء والا شجرہ اس سے بھی مختلف ہے اس میں جو شجرہ ہے

وہ یہ ہے :

"سید عثمان بن حسن کبیرالدین بن شمس الدین بن سید صلاح الدین بن سید شاہ بن سید خالد الدین بن سید محب بن سید مشتاق بن سید نورالدین بن سید اسماعیل بن امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ" [1]

قلندر نامہ، لب تاریخِ سندھ اور تاریخ کنز الانساب میں جو شجرہ ہے اس میں سید محمد شاہ، سید نور شاہ کے والد بتائے گئے ہیں جبکہ تحفۃ الکرام میں دادا لکھا ہے۔ کتاب تعارف ہندی کے شجرہ میں والد کا نام سید مشتاق ہے۔ کئی شجروں میں سید منتخب کے بجائے سید محب ہے۔ کتاب تعارفِ ہندی والے شجرہ اور لب تاریخِ سندھ کے شجرے میں سید مہدی کے دادا کا نام سید غالب اور پردادا کا نام سید منصور دکھایا گیا ہے جبکہ سید مہدی کے والد کا نام سید منتظر بتایا گیا ہے۔ کنز الانساب میں سید مہدی کے والد کا نام سید محمد بتایا گیا ہے۔

قلندر نامہ سندھی (ص۲) پر ہے کہ "جبکہ زیادہ نسخوں میں سید منتخب ہے تو یہ ہی درست تصور کیا جاتا ہے۔"

"الشہباز" میں جلیل سیوہانی نے سید منتخب تک لب تاریخِ سندھ کا شجرہ دیا ہے اور باقی شجرہ تاریخ اولیاء گجرات سے لیا گیا ہے۔

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۴۳

کتاب تعارف ہندی میں سید منصور بن اسماعیل کے بجائے سید منصور بن سید نورالدین بن سید اسماعیل بن امام جعفر صادقؑ بتایا گیا ہے۔ تاریخ کنزالانساب میں سید مہدی کے بعد شجرہ اس طرح قلمبند ہوا ہے۔

"سید مہدی بن سید محمد بن سید احمد بن سید مہدی بن سید منتخب باللہ بن سید غالب الدین بن سید عبدالمجید بن سید محمد عریضی بن سید اسماعیل اعراج اکبر بن امام جعفر صادقؑ"

حضرت قلندر شہباز کے والد بزرگوار کی ولادت جمادی الثانی ۵۰۱ھ میں ہوئی جبکہ ان کا انتقال میں ہوا۔ ان کی زوجہ محترمہ (یعنی شہباز قلندر کی والدہ) ان کی حیات میں ہی کچھ سال قبل انتقال کر گئی تھیں۔ صاحب "بستان العارفین" نے لکھا ہے کہ ان کا مزار امام حسینؑ کے روضۂ اقدس کے قریب ہے۔

وطن:

آپ کے وطن کے سلسلے میں بھی بہت سے اختلافات پائے جاتے ہیں اور مختلف قسم کی روایات بیان کی جاتی ہیں۔ حکیم فتح محمد سہوانی نے قلندر نامہ سندھی (ص ۵) میں تحریر کیا ہے کہ آپ کا اصلی وطن "مروکد" ہے جو آذربائیجان اور تبریز کے وسط میں ہے، جبکہ صاحب "لب تاریخ سندھ" کا دعویٰ ہے کہ آپ کا اصلی وطن میمند ہے جو کہ افغانستان میں ہرات کے پرگنہ کے قرب و جوار میں ہے۔

"مآثر الکرام" کے مصنف نے "تذکرہ مشائخ سندھ" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ کا وطن "مرند" تبریز کے دیہات میں سے ایک ہے۔

شیخ اکرام نے "آبِ کوثر" میں مرند بتایا ہے روزنامہ "الوحید" کے سندھ آزاد نمبر میں بھی لکھا ہے کہ "آپ آذربائیجان (آرمینا) کے ایک گاؤں مرند میں پیدا ہوئے"۔

محبوب علی چینہ نے بھی "مرند" ثابت کیا ہے اور یہ نام "مروند" ہی ممکن ہے کیونکہ "مرند" کے نام سے ہمیں تواریخ، قدیم جغرافیوں اور سفرناموں میں کسی شہر کا نام نہیں ملتا، البتہ "مرو" نامی شہر کا پتہ چلتا ہے جو کہ "ہرات" کے شمال میں کشک نامی شہر کے قریب ہے جہاں پر روس اور افغانستان کی سرحدیں آملتی ہیں۔ اس طرح یہ ۱۶۰ میل شمال میں ایک خشک لق و دق صحرا میں خیابان ہے۔ اس شہر کی قدامت سکندر اعظم کے عہد کے آثار سے لگائی جاسکتی ہے کہ یہ اس زمانہ تک کتنا عالیشان شہر تھا اور یہ اس زمانہ تک علم و عرفان اور آسودگی کا مرکز تھا۔ اصطخری ابن حوقل اور مقدسی نے اس ضمن میں تفصیلی حالات درج کیے ہیں اور اسے ایک عالیشان شہر بتایا ہے۔

سلاجقہ کے زمانہ میں یہاں ایک بلند پایہ مدرسہ تھا جسے ہم یونیورسٹی کا درجہ دے سکتے ہیں۔ اس زمانہ میں اسے "مرو" سے "مراد الرود" کو جدا کرنے کیلئے "مرو شاہجان" کہا جاتا تھا جو کہ آج کل روس کی حدود ہے۔

خراسان میں "مرو" کے علاوہ "میمنہ" نامی شہر بھی ملتا ہے جس کا پہلے "الیہودان" یا "الیہودیہ" نام تھا جو "جوزجان" کے علاقہ میں ہے۔ یاقوت نے اس کا نام "الیہودان الکبریٰ"

لکھا ہے ۔ کہتے ہیں کہ پہلے اس علاقہ میں یہودی آباد تھے اور جب بنوکند نذر نے بیت المقدس شہید کیا تو اس کے بعد اس شہر کا نام "میمنہ" یعنی مبارک شہر رکھ دیا گیا ۔ یاقوت حموی ابن حوقل اور مقدسی نے اس شہر کا تفصیلی ذکر کیا ہے ۔

اس کے علاوہ زابلستان میں "میمند" یا "میوند" نامی شہر بھی ملتا ہے لیکن مجھے اس میں سے کوئی بھی مناسب نظر نہیں آتا کیونکہ "مروند" کے علاوہ کوئی شہر آذربائیجان میں نہیں ہے اور اکثر تذکرہ گو اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت شہباز قلندر کا وطن اقدس آذربائیجان میں ہے اور آذربائیجان میں صرف "مرند" نامی شہر کا نام یتیسر ہے ۔

"مرند" کا شہر دریائے "خدی" کے دہانے پر دریاہ کی ایک شاخ کے کنارے پر واقع ہے جو کہ خدی میں آملتی ہے ۔ یہ شہر آذربائیجان کی حدود میں ہے اور تبریز سے شمال میں تقریباً ۴۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے ۔

مقدسی نے چوتھی صدی ہجری میں اس کے متعلق تحریر کیا ہے کہ اس میں ایک چھوٹا سا قلعہ اور خوبصورت سی مسجد ہے اور شہر کی بیرونی آبادی باغات سے بھری ہوئی ہے اور اس میں ایک صاف ستھرا اور بارونق بازار ہے ۔

یاقوت نے لکھا ہے کہ "اس شہر کو کردوں نے برباد کر دیا اور اسے لوٹنے سے پہلے یہاں کی آبادی کو قیدی بنا لیا ۔"

مقدسی نے لکھا ہے کہ جس دریا پر "مرند" واقع ہے اس کا نام "زولو" یا "زکوبر" ہے اور یہ وسیع اور عالیشان شہر ہے اور یہ شہر "سُرخ رنگ" بنانے کی صنعت میں

شہرۂ آفاق ہے۔ شہر کے گرد و نواح میں سات گاؤں یا قصبات ہیں جو سب اس میں شامل ہیں[1]۔

مذکورہ حقائق و دلائل کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس کا اصل نام "مرند" ہے لیکن بعد میں لوگوں نے 'ی'، 'د' کا اضافہ کر لیا اور اس طرح اب اسے "مروندی" کہا جاتا ہے۔ تعجب ہے کہ خود قلندر شہباز[2] نے اپنے ایک شعر میں اسے "مروند" استعمال کیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے ممالک بالخصوص برصغیر میں "مرند" کو "مروند" کہا جاتا ہے، اسی لیے خود شہباز[2] نے دوسرے ممالک کی سیاحت کے بعد اس کا نام "مروند" تحریر کیا ہے اور سندھ میں عام طور پر "مروند" مشہور ہے۔ حدیقۃ الاولیاء میں ان کی شان میں جو قصیدہ ہے اس کے بیت میں بھی اسے "مروندی" کہا گیا ہے۔

؎ دمبدم رحمتِ خداوندی   یاد بر روحِ شاہِ مروندی

حقیقت میں حضرت شہباز قلندر کی غزلوں میں صرف تین غزلیں ایسی ہیں جس میں "مروندی" ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ غزلیں شہباز کی نہیں ہیں بلکہ اس میں سے ایک عثمان ہاروتی اور دو غزلیں شمس تبریز کی ہیں جو غزل شمس تبریز سے منسوب

---

[1] اصطخری ص ۱۸۱، ابن حوقل ۹ ۳۳، مقدسی ص ۳۷۸، قزوینی ج ۱ ص ۱۸۰، ج ۲ ص ۳۵۴
یاقوت ج ۱ ، ۲۱۸، ج ۲ ص ۵۰۲، ج ۳ ص ۱۲۰، ج ۴ ص ۵۰۳، متوخی ص ۱۵۳ - ۱۵۹، ۲۱۸ بحوالہ

LAND OF EASTERN CALIPHATE

ہے اس کا مقطع ہے۔ ؎

آیا عثمان مروندی چرا مستی درین عالم بجز مستی و مدہوشی دگر چیزی نمی دانم

حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ ایک ہی ضمین میں دونوں بزرگوں کی جدا جدا غزلیں ہیں مثلاً مندرجہ ذیل اشعار:

شمس: چہ تدبیر اے مسلماناں کہ من خود را نمی دانم
نہ ترساؤ یہودی ام، و نے گبر و مسلمانم

شہباز: من آن دُرتم کہ در بحر جلال اللہ بودستم
بکوہ طور با موسیٰ کلیم اللہ بودستم!

مذکورہ مقطع لب تاریخ سندھ (صـ۲) میں اس طرح لکھا ہے:

آیا عثمان مینندی چرا مستی دریں عالم
کہ جُز یا ھُو دیا من ھُو دگر چیزے نمیدانم

جو غزل عثمان ہارونی سے منسوب ہے اسکا مقطع اس طرح ہے:

منم عثمان "مروندی" کہ یار خواجہ منصورم
ملامت می کند خلقی و من بردار می رقصم

ایک دوسرے نسخے میں یہ مقطع اس طرح درج ہے:

من آن عثمان "مروندی" کہ یار خواجہ منصورم
نہ لرزم از ملامت آن کہ من بر دار می رقصم

دوسری غزل کا مقطع یہ ہے :

ایا عثمان مروندی سخن با پردہ داران گو
بیابی در جہاں یارے جہانے پُر ز اغیار ست

ولادت :

قلندر شہباز کے والد عبادت میں اس قدر مشغول ہو گئے تھے کہ ایک عرصہ تک شادی نہیں کی۔ لب تاریخ سندھ کی روایت ہے :

"آخر ایک رات خواب میں سید عثمان کی روح مبارک نے اپنے والدِ بزرگوار سے کہا کہ بابا مجھے باہر نکالو۔ ان کے والد نے جواب دیا کیا بہشت سے باہر آنا افضل ہے؟" اس پر انہوں نے کہا کہ ہاں دنیا میں ظہور پذیر ہونا احسن ہے۔"[1]

مندرجہ بالا روایت قلندر نامہ سندھی (ص ۳) سے بستان العارفین (ص ۲۳) پر نقل کی ہے اس کے بعد سید کبیر نے نکاح کا خیال کیا اور مروند کے حاکم سلطان شاہ نے باطنی اشارے کے مطابق اپنی بیٹی دی جس سے روحانی رہبر قلندر لعل شہباز کا مولود ہوا۔

قلندر نامہ سندھی (ص ۳) نے ایک صاحب کا شعر نقل کیا ہے جس سے

---

[1] لب تاریخِ سندھ، ص ۶

لعل شہباز کی ولادت کا سن عمر اور وفات کا سن نکل آتا ہے:

بجو تاریخ شمس الدین عثمان

بدر کن رنج از فلک کرامت ۵۳۸ ھ

سن عمرش "ولی اللہ"، وفاتش ۱۱۲ ھ

سروش غیب می گوید "برحمت" ۶۵۰ ھ

اس کے مطابق ولادت کا سن ۵۳۸ھ ثابت ہوتا ہے۔ بستان العارفین (صہ ۳۳) نے بھی اسی سنِ ولادت پر اتفاق کیا ہے جبکہ لب تاریخ سندھ (صہ ۶) پر ۵۷۳ ھ بمطابق ۱۱۷۷ء ولادت کا سن تحریر ہے اور تذکرہ صوفیائے سندھ (اُردو) صہ ۱۹۹ پر بھی اعجاز الحق قدوسی نے لب تاریخ سندھ سے سند کے طور پر مستعار لیا ہے۔

اللہ تعالٰے نے انہیں اتنا حُسن و جمال عطا کیا تھا کہ ان کی پیشانی کے نور کے آگے چاندنی بھی مات تھی۔

ظاہری تعلیم:

قلندرؒ شہباز کو بچپن سے ہی علم حاصل کرنے کا ازحد شوق تھا اور سات سال کی عمر میں انہوں نے کلامِ مجید حفظ کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ تھوڑے ہی عرصہ میں عربی اور فارسی میں بھی مہارت حاصل کر لی تھی۔ ان کی عربی کی مہارت کے سلسلے

میں مندرجہ ذیل واقعہ سے ثبوت مل سکتا ہے [۱]

"حضرت قلندر شہبازؒ جب ملتان میں تشریف لائے تو اس زمانہ میں غیاث الدین بلبن حکمران تھا۔ وہ عارفوں اور عالموں کا بہت قدردان تھا۔ جب اس نے قلندر شہباز کی آمد سنی تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تعظیم بجالایا اور تحفہ

۱؎ تاریخ فیروز شاہی برنی، سید احمد خاں کا ایڈیشن صہ۶۷، ۶۸، تاریخ معصومی صہ۴۰

ب تاریخ سندھ صہ۳۵، ماثر الکرام ج ا صہ۲۸۵ - ۲۸۷

۳؎ سلطان محمد دہلی کے بادشاہ غیاث الدین بلبن کا پیارا فرزند تھا جو اس زمانہ میں ملتان کا حاکم تھا اور عالموں، عارفوں اور عابدوں کا بہت معتقد تھا۔ حضرت بہاء الدین ملتانی حضرت شیخ فرید شکر گنجؒ کا بہت ادب و احترام کرتا تھا۔ امیر خسرو اور امیر حسن دہلوی ہمیشہ اس کے دربار میں آتے رہتے تھے۔ حضرت مصلح الدین سعدی شیرازی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ بھی اکثر آتے رہتے تھے اور ایک دفعہ ضعیفی کی وجہ سے نہ آسکے اور معذرت کے خط کے ساتھ ایک کتاب روانہ کی جس میں اپنے اشعار اپنے ہاتھ سے رقم کیے تھے۔ سن ۶۸۳ھ (۱۲۸۵ء) میں مغلوں سے لڑائی میں شہید ہوئے۔

امیر خسرو نے آپ کی شہادت پر ایک دردمندانہ مرثیہ لکھا تھا۔

تحائف دینے کے بعد آپ سے ملتان میں قیام کی درخواست کی[۲] لیکن آپ نے یہ دعوت قبول کرنے سے معذوری ظاہر کی ۔ اسی دوران قیام سلطان محمد[۳] نے ایک عربی سرود کی مجلس کا اہتمام کیا ۔ اس مجلس میں حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانی کے فرزند حضرت شیخ صدرالدین عارف ملتانی بھی موجود تھے اور یہ دونوں بزرگ (یعنی قلندر شہباز و عارف ملتانی) عالم وجد میں رقص کرنے لگے اور خود سلطان محمد کا یہی عالم تھا ۔"

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ عربی کے ماہر تھے جو عربی سرود کی روح پہ پہنچ گئے ۔ فارسی میں آپ کی دسترس تو ان اشعار سے عیاں ہوجاتی ہے جو آپ نے کہے ہیں ۔

مشہور انگریز محقق برٹن جو کہ علوم شرقیہ، لسانیات اور گرامر کا ماہر متصور کیا جاتا ہے، اپنی تصنیف میں رقمطراز ہے کہ اس وقت مکتب میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں قلندر شہباز کی یہ کتب بھی شامل ہیں ۔ ۱۔ عقد ۲۔ قسم دویم ۳۔ اجناس ۴۔ میزان صرف[۱]

---

[۲] THE LIFE & WORKS OF AMIR KHUSRAU

مصنف ڈاکٹر محمد وحید مرزا ص ۳ تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۳۶ پر صرف ملاقات کا ذکر کرتے ہیں لیکن قیامِ ملتان کی درخواست کا نہیں ۔

[۱] BURTON'S SIND & ITS RACES PAGE_193

ڈاکٹر سدارنگانی کے "PERSION POETS OF SIND" صفحہ نمبر ۷ پر اور گزیٹر ۹۴ VOL: AP پر جو تحریر ہے اسی کی بساط پر شیخ محمد اکرام نے "موجِ کوثر" میں نقل کیا ہے۔

صاحب قلندر نامہ (صہ ۔) کا دعوے ہے کہ آپ اردو ریختہ بھی کہتے تھے۔

بیعت اور سلسلۂ طریقت

بیعت

صاحب مآثر الکرام نے لکھا ہے کہ آپ جب سن بلوغت کو پہنچے تو شیخ جمال مجرد کے مرید بابا ابراہیم کے پاس گئے اور بیعت کی سعادت حاصل کر لی۔ مرید ہونے کے سلسلے میں ایک روایت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ:

"ایک رات ابراہیم (مرشد) نے دیکھا کہ ایک خوبرو جوان سرخ لباس میں آیا اور کہا کہ آپ نے مجھے یہ عالی مرتبہ عطا کیا ہے۔ انہیں کشف کے ذریعہ معلوم ہوا کہ یہ سید عثمان ہیں۔ یہ معلوم ہونے کے بعد بابا ابراہیم کی ان سے ملاقات ہوئی اور حضرت لعل شہباز باطنی اشارے کے مطابق قلندری طریقت کے مرید ہو گئے اور کئی سال تک ان کی خدمت کر کے حق مریدی ادا کیا۔"[1]

---

[1] مآثر الکرام قلندر نامہ سندھی اور موج کوثر ص ۳۳۱

بابا ابراہیم نے انہیں ایک گلوبند عطا کیا جو کہ انہیں (بابا ابراہیم کو) اُن کے مُرشد سیّد جمال مجرد سے ملا تھا۔ یہ گلوبند آج بھی قلندر شہباز کی درگاہ میں بطور تبرک رکھا ہوا ہے جس کی ہر سال عرس کے موقعہ پر زیارت کرائی جاتی ہے[1]۔

اس کے علاوہ انہیں اپنے مرشد سے بادام کی لکڑی کی ایک عصا عطا ہوئی تھی۔ یہ عصا آپ کے دربار کی زینت ہے۔ یہ عصا انہیں بغداد کے وزیر سید علی نے دی تھی۔ روایت ہے کہ یہ عصا امام زین العابدین کے دست مبارک میں رہتی تھی اور یہ دست بدست قلندرؒ شہباز تک پہنچی۔ امام عالی مقام تک پہنچنے کے سلسلے میں بھی مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ عصا امام زین العابدین کی اس اسیری کی یادگار ہے جب فوجِ یزیدی نے آپ کو پابند سلاسل کیا تھا۔ یہ عصا اس وقت انہیں ملی تھی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ ان کو اپنے اجداد سے ملی تھی جو ہوتے ہوتے امام زین العابدین اور اس کے بعد شہباز قلندرؒ تک پہنچی۔

سیّد جمال مجرد اور ان کی طریقت:

خیرالمجالس میں حمید شاعر نے تحریر کیا ہے کہ شیخ المشائخ نصیرالدین محمود چراغِ دہلی نے فرمایا کہ:

---

[1] الشہباز (ص ۶۸)

"سید جمال مجرد ایک عرصہ تک مفتی مقرر رہے اور یہ دقیق سے دقیق مسئلہ پر صاحبِ نظر تھے اور ان کا کتاب خانہ بہت وسیع تھا۔ یہ مطالعہ کے نہ صرف شائق بلکہ مطالعہ میں غرق رہتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ان پر عجب جذبہ طاری ہو گیا' داڑھی ترشوالی اور ایک پرانی قبر میں کفن پہن کر حیران و پریشان آسمان کی جانب ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے تھے۔"[۱]

سیر الاولیاء کے مصنف نے حضرت شیخ الاسلام مخدوم بہاؤالدین زکریا سے منسوب بیان میں تحریر کیا ہے:

"سید جمال مجرد کی یہ حالت جو ہوئی تھی اس میں ان کا اپنا دوش نہیں تھا بلکہ یہ عالمِ بیخودی تھا۔"

شیخ جمالی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ شہر دمیاط کی ولایت اقلیم مصر میں ہے اور بزرگوں، علماء اور اکابرین سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت جمال مصر میں صاحبِ کمال و جمال متصور کیے جاتے تھے اور حسن میں یوسفِ ثانی کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے اور جس طرح زلیخا یوسف پر عاشق ہوئی تھی اسی طرح ایک مصری عورت ان پر بھی عاشق تھی جس سے یہ کافی پریشان رہتے تھے نتیجتاً مجذوبیت کی حد تک پہنچ گئے۔

---

[۱] بحوالہ قلندر نامہ سندھی ص ۸

تذکرہ صوفیائے سندھ اور موجِ کوثر میں جو ان کا شجرہ طریقت دیا گیا ہے وہ اس طرح ہے:

"سید ابراہیم بن سید محمود بن سید جعفر بن سید مغفور بن محمد بن علی بن ابوطالب محمد بن علی بن عبداللہ بن محب بن محمد بن علی بن محمد بن احمد بن محمد حسن بن محمدؑ ابراہیم بن موسیٰ کاظم" [۱]

قلندر نامہ سندھی کے مصنف کا دعویٰ ہے کہ قلندرؒ شہباز کا سلسلہ قلندری امام زین العابدینؓ کے واسطے سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے اور دوسری جانب سید جمال سے سلسلہ بھی حضرت علی بن موسیٰ رضا، جعفر صادق امام زین العابدین اور حضرت علیؓ سے ہوتا ہوا سرور کائناتؐ تک پہنچتا ہے۔

کئی تذکرہ نگاروں نے قلندرؒ شہباز کا سلسلۂ طریقت قادری بتایا ہے۔ تذکرۃ الفقرا میں داراشکوہ کا جو شجرہ ہے وہ لعل شہباز کے واسطے سے حضرت غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"داراشکوہ مرید ملاشاہ بدخشی مرید میاں میر سوہوانی مرید حضرت خضر سیوستانی مرید شاہ سکندر مرید خواجہ خافی مرید سید علی قادری مرید حضرت مخدوم سید عثمان شہباز مرید شاہ جمال مجرد مرید شیخ ابو اسحاق ابراہیم مرید مرتضیٰ سبحانی مرید حضرت احمد

---

[۱] تذکرہ صوفیائے سندھ ص ۲۰۰ "موج کوثر ص ۳۳۱

بن مبارک مرید عبدالقادرؒ جیلانی کے۔"

بعض حضرات حضرت قلندرؒ شہباز کا سلسلہ حضرت غوث اعظمؒ سے ملاتے ہیں۔ میر کمال الدین دیوان حافظ کی شرح میں صاف لکھتے ہیں کہ شہباز قلندرؒ کا سلسلہ امیر المومنینؓ تک پہنچتا ہے۔

قلندری طریقت:

مندرجہ بالا بحث سے پتہ چلتا ہے کہ شہباز قلندرؒ، سید جمال اور حضرت بابا ابراہیم کی طریقت ایک انوکھی طریقت تھی اور وہ طریقت "طریقتِ قلندری" کہلاتی ہے۔ اس طریقت کے سلسلے میں صاحب "طبقات الصوفیہ" نے لکھا ہے کہ:

"تارک الدنیا، تہجد گزار اور نفسانی لذتوں سے پاک فرد کو قلندر کہتے ہیں۔"

اور ایک سندھی شاعر نے بھی قلندرؒ شہباز کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے اس ضمن میں کہا ہے کہ:

"تارک الدنیا و مافیہا قلندر تنجھو نام"

صاحب حدیقۃ السلوک کا کہنا ہے کہ "حضرت خواجہ عبید اللہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو دنیاوی خواہشات سے مجرد رکھنے اور نفس کو معبود کے تابع کر دینے کو قلندری طریقت کہا جاتا ہے۔"

کشف اللغات میں ہے کہ "قلندر اسے کہا جاتا ہے کہ جو دنیا سے آزاد ہو کر صرف معبود میں محو ہو جائے۔"

"مصباح الہدایہ" میں تحریر ہے کہ "قلندری طریقت والے فرض سے زیادہ نہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ ظاہری عابدوں کی طرح عبادت کرتے ہیں بلکہ مخفی طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ دنیا کی دولت سے بے غرض یہ اپنے فرائض کی بجاآوری میں لگے رہتے ہیں۔"

حافظ شیرازی نے بھی اسی موضوع پر اس طرح اشارہ کیا ہے:

فرض ایزد بگزاریم و بکس بد نکنیم ؟
وانچہ گویند روا نیست بگوئیم رواست

اور قلندر کی شان میں فرمایا ہے کہ:

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجا است
نہ ہر کہ سر بہ تراشد قلندری داند

قلندر نامہ فارسی کے مصنّف نے اس مشرب کے سلسلے میں اصل بخاری شریف کی اس حدیث کو بنیاد بنایا ہے کہ:

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت طلحہؓ بن عبداللہ سے یہ روایت (کی) ہے کہ نجد سے ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور نہایت آہستہ

آواز میں نبی کریمؐ سے درخواست کی کہ وہ (نبی کریمؐ) اسے ہدایت دیں۔ جس سے وہ نجدی (جنّت) حاصل کر سکے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا: "خدا کی عبادت کر، شرک نہ کر، فرض نماز ادا کر، زکوٰۃ دے، رمضان میں روزے رکھ۔" پھر اس نے کہا: "کچھ اور"۔ آپ نے (نبی کریمؐ) فرمایا "پھر زیادہ نفل پڑھ"۔ پھر نجدی نے کہا: "قسم اس ذات کی کہ جب تک مجھ میں ایک سانس بھی باقی ہے میں نہ اس سے کم کروں گا اور نہ زیادہ۔"

جب یہ نجدی چلا گیا تو نبی کریمؐ نے اس کے بہشتی ہونے کی بشارت دی۔

مندرجہ بالا بیان سے صاحبِ قلندر نامہ نے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ:

"اگر فرائض ادا کرنے سے جنّت میں داخل ہوتے ہیں تو اس نجدی کا مرتبہ بھی قلندری تھا۔"

سہروردی سلسلہ

جہاں تک لعل سائیں کا بہاؤالدین زکریا کے واسطے سے سہروردی سلسلہ سے تعلق جوڑا جاتا ہے تو اس سلسلے میں سہروردی سلسلہ کا تعارف بھی خارج از بحث نہیں۔

سہروردی سلسلہ کی بنیاد حضرت شیخ ابو النجیب عبدالقادر سہروردی نے رکھی دو سال بغداد کی مشہور درسگاہ نظامیہ میں مدرسِ اعلیٰ رہے۔ ۵۵۷ھ بمطابق

۱۱۶۱ء میں بغداد سے یروشلم کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے لیکن سیاسی حالات نے ان کی اس خواہش کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچنے دیا اور دمشق میں ہی اسلام و روحانیت کے درس میں مشغول ہو گئے اور ان کے مواعظ و ہدایات کا ان کے شاگردوں اور معتقدین پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ ابن خلکان لکھتا ہے کہ:

"ظہرت برکتہٗ علی تلامذہٖ"[۱]

اس کے علاوہ یہ اعلیٰ درجہ کے مصنف بھی تھے اور تصوفِ اسلام پر بلند پایہ کتابیں لکھیں[۲] لیکن افسوس ہے کہ "آداب المریدین" اور "شرح اسماء الحسنیٰ"[۳] کے علاوہ دوسری کتابیں میسر نہیں۔

۵۶۲ھ بمطابق ۱۱۶۸ء میں بغداد میں وفات پائی اور ان کے سلسلۂ طریقت کو ان کے خلفا نے جدا جدا ناموں سے رائج کیا مثلاً کبروری، شطاریہ اور مزدوریہ وغیرہ لیکن ان کا مکیہ سلسلہ سہروردیہ ان کے بھتیجے شیخ شہاب الدین سہروردی نے چلایا جو آج تک جاری ہے۔

حضرت شہاب الدین کی ولادت ۵۳۹ھ بمطابق ۱۱۳۲ء میں ہوئی اور انہوں نے

۱۔ تاریخ کامل ج ۱۱، ص ۱۴۹

۲۔ ایضاً ج ۱، ص ۱۲

۳۔ ان کتب کا غلام احمد خاں صاحب نے اردو ترجمہ کیا ہے

جن کی ولادت ۴۹۰ھ بمطابق ۱۰۹۷ء میں ہوئی تھی[1]

آپ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی کے بھائی شیخ احمد غزالی کے بڑے خلیفہ سے فیض یاب ہوئے[2] حضرت شیخ کا سلسلہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی سے ملتا ہے۔ اسی لیے سہروردی سلسلہ حضرت جنید بغدادی سے بھی منسوب سمجھا جاتا ہے۔ حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی کی صحبت سے فیضیاب ہوئے[3] اس کے علاوہ حضرت غوث الاعظم کے روحانی پیشوا شیخ حماد باس سے بھی فیض حاصل کیا[4] جوکہ ایک زبردست صوفی عالم گزرے ہیں۔

ابن خلکان رقمطراز ہیں:

"وفیھا توفی الشیخ ابوالنجیب السہروردی الصوفی الفقیہ و کان من الصالحین المشہورین"[2]

اس طرح یہ زبردست عالم تھے جنہیں تصوف، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور اصولِ دین میں زبردست دسترس حاصل تھی اور اپنے عہد کے علماء میں بڑا مرتبہ حاصل تھا۔

۱۔ طبقات الکبریٰ ج ۴ ص ۲۵۶، ابن خلکان، وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۹۹ سمعانی کتاب الانساب، جامی نفحات الانس ص ۳۷، ۳۷۳، ۴۷۴

۲۔ ملاحظہ ہو نفحات الانس۔ ۳۔ نفحات الانس ص ۲۵۴-۲۵۶۔ ۴۔ نفحات الانس ص ۲۵۸-۲۵۶

اپنے چچا کے علاوہ حضرت غوث الاعظم عبد القادر جیلانیؒ سے بھی فیض حاصل کیا۔ حضرت غوث الاعظم آپ کے لیے فرماتے ہیں:

"یا عمرو انت آخر المشہورین بالعراق"

حضرت غوث سے آپ کو بہت عقیدت تھی جس کا اندازہ ان کی کتاب "بہجۃ الاسرار" سے بھی لگایا جا سکتا ہے جس میں انہوں نے حضرت غوث کی مناقبتیں بڑی محنت سے جمع کی ہیں جن کی تعریف شیخ سعدی نے اپنی "بوستان" میں بھی کی ہے:

"آپ کا اس ضمن میں کوئی ثانی نہیں اور آپ کے چشمۂ فیض سے بہت سے لوگ فیضیاب ہوئے۔ انہوں نے اپنے سلسلے کی تبلیغ کے لیے مشہور کتاب "عوارف المعارف" لکھی جسے سہروردی سلسلہ میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔"[1]

آپ کے بہت سے جید خلفاء گزرے ہیں جنہوں نے اسلام کی تبلیغ میں بڑی خدمات انجام دی ہیں بالخصوص برصغیر پاک و ہند میں شیخ جلال الدین تبریزیؒ، قاضی حمید الدین ناگوری، سید نور الدین مبارک غزنویؒ، شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی، مولانا ماجد الدین حاجی اور شیخ ضیاء الدین رومی جیسے بزرگوں نے سہروردی طریقت کی تبلیغ کی۔ اس ضمن میں غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی کو سندھ میں سہروردی سلسلہ کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔

---

[1] وفیات الاعیان ج ۱۲، ص ۳۸۰

۔شیخ شہاب الدین نے ۶۳۲ھ ۔ بمطابق ۱۲۳۲ء میں انتقال فرمایا۔

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کی ولادت کو مؤرخین نے ۵۶۵ھ تا ۵۶۶ھ بتایا ہے ۔ آپ کے جد امجد حضرت کمال الدین شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم آئے اور بعد میں ملتان میں سکونت اختیار کر لی ۔ یہاں آنے کے دس بارہ سال بعد آپ کے والد بزرگوار مولانا وجیہہ الدین نے وفات پائی ۔ ابتدائی تعلیم ملتان میں مولانا نصیر الدین بلخی سے حاصل کی اور قرآن حکیم قرآت سے یاد کر لیا ۔ اس کے بعد خراسان گئے اور وہاں ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل کی ۔ آپ کا علمی شوق یہاں بھی پورا نہ ہوا ۔ یہاں سے بخارا آئے اور یہیں سے حج و زیارت کے لیے مدینہ تشریف لے گئے ۔ یہاں جلیل القدر محدث مولانا کمال الدین محمد سے حدیث کا علم حاصل کیا اور مجاہدہ کیا ۔ پھر بیت المقدس ہوتے ہوئے بغداد گئے اور یہاں شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید ہو گئے اور مختصر مدت میں ہی معرفت کی منزلیں طے کرتے ہوئے خلافت کی دستار حاصل کی اور مرشد سے پوری طرح مستفیض ہو کر ملتان آئے اور بڑے زور شور سے تبلیغ شروع کر دی ۔ ان دنوں برصغیر پاک و ہند التمش کے زیر نگین تھا اور جنوبی سندھ پر ناصر الدین قباچہ کا اقتدار تھا ۔

آپ نے ہندو سندھ کا تبلیغی سفر کیا اور بہت سے ہندوؤں کو مسلمان کیا ۔ بہت جلد اس عہد کے حکمران بھی آپ کی عزت کرنے لگے یہاں تک کہ التمش نے بھی بڑے عزت و احترام سے آپ کو دہلی بلایا اور آپ کو شیخ الاسلام

کا عہدہ سپرد کیا۔

ملتان میں آپ نے ایک دینی درسگاہ اور خانقاہ قائم کی جہاں نذر و نیاز اور عطیات چڑھتے تھے لیکن آپ یہ سب کچھ غربا اور محتاجوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

آپ کی وفات کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ بعض آپ کو ۶۶۱ھ اور بعض ۶۹۶ھ بتاتے ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد سندھ و ہند میں آپ کے خلفاء نے اس سلسلے کو وسیع تر کیا بالخصوص شیخ صدر الدین عارف اور ان کے بعد رکن الدین سجادہ نشین ہوئے جن کی محمد تغلق بہت عزت کرتا تھا۔

○

شہباز قلندرؒ کے مصاحب

منصور اور شہباز قلندر:

تذکرہ مشائخ سیوستانی اور قلندر نامہ فارسی میں تحریر ہے کہ:

"حضرت شہباز قلندر نے جن کاملوں سے ملاقات اور فیض حاصل کیا، ان میں شیخ منصور سرِ فہرست ہیں اور اس ضمن میں شہباز قلندر کا یہ شعر بطورِ شہادت دیا جا سکتا ہے:

منم عثمان مروندی کہ یارِ خواجہ منصورم
ملامت می کند خلقی و من بر دار می رقصم [1]

---

[1] ایک قلمی نسخے میں حضرت عثمان ہارونیؒ سے منسوب غزل کا مقطع یوں ہے:

منم عثمان ہارونی کہ یارِ شیخ منصورم
ملامت می کند خلقے کہ من بر دار می رقصم

لیکن یہ ملاقات رسمی ملاقات نہیں ہو سکتی بلکہ روحانی ملاقات ہو گی کیونکہ منصورؒ ۳۰۹ھ میں وفات پا چکے تھے جبکہ قلندرؒ شہباز کی ولادت ۵۳۸ھ ہے اور اس طرح یہ ملاقات روحانی ملاقات ہے۔ کیونکہ ایسا ہوتا رہا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مخدوم جہانیاںؒ جہاں گشت اپنے مرشد شیخ رکن الدینؒ کے وصال کے بعد بھی ان سے مستفیض ہوتے رہے۔ حضرت مخدوم صاحبؒ نے اپنے ملفوظات میں لکھا ہے کہ:

"شیخ کامل مماتی حالت میں اسی طرح ان کی تربیت کرتے رہے جس طرح حیاتی حالت میں کرتے تھے۔"

حضرت مخدوم نوحؒ کی ملفوظات میں ہے کہ مخدوم نوح کو عالم خواب میں حضرت علیؓ نے سلوک کے اسباق دیئے۔ حضرت مخدوم محمد معین ٹھٹوی فرماتے ہیں کہ میں خواب میں ابن العربیؒ سے فیضیاب ہوا۔

چار یار:

برصغیر میں آنے کے بعد حضرت قلندرؒ شہباز حضرت غوث بہاء الحق ملتانیؒ ان کے فرزند حضرت شیخ صدر الدینؒ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ حضرت جلال سرخ بخاریؒ حضرت قلندرؒ شہباز، حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کو چار یار کے نام سے پکارتے تھے

حضرت شہباز قلندر اور شیخ صدر الدین عارف کی صحبت کا ذکر تاریخ معصومی تاریخ فیروز شاہی وغیرہ میں بھی ملتا ہے۔ کئی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت قلندرؒ شہباز نے حضرت غوث بہاؤالدینؒ سے فیض حاصل کیا بلکہ خزینۃ الاصفیاء نے دعوےٰ کیا ہے کہ:

"حضرت قلندرؒ شہباز، حضرت شیخ بہاء الحق کے خلیفہ تھے۔"[۲]

تذکرہ الفقراء میں درج ہے کہ "سہروردیہ طریقت کی مختلف شاخوں میں لعل شہبازیہ گروہ بھی شامل ہے اور اس شاخ کا آغاز حضرت لعل شہبازؒ سے ہوتا ہے۔"

حقیقت میں اس ضمن میں مورخین کوئی بھی علمی اور تحقیقی سند نہ دے سکے اور معاصرانہ محبت کو پیری مریدی سمجھ بیٹھے۔ حضرت شہباز حضرت غوث العالمؒ کے گہرے دوست تھے لیکن مرید نہ تھے۔ حضرت قلندرؒ شہباز کی طریقت طریقتِ سہروردیہ سے بالکل مختلف ہے مثلاً قلندری طریقت میں مجردانہ زندگی کا تصور ہے جبکہ سہروردیہ میں شادی روا ہے، سہروردیہ طریقت کے بزرگ پوری پوری دنیوی زندگی گزارتے ہیں جبکہ قلندریہ میں ایسا نہیں ہے۔ خود حضرت غوث العالم انتہائی دولتمند تھے، حضرت رکن الدین ملتانی محمد تغلق سے وابستہ تھے مخدوم جہاں گشت کا تعلق فیروز تغلق سے تھا اور اس طرح دیگر سہروردیہ سلسلے کے بزرگوں کا حال تھا برخلاف اس کے حضرت شہبازؒ دنیاوی تعلق سے بے نیاز رہ

بے تعلق زندگی بسر کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ایک شاعر نے آپ کے سلسلے میں فرمایا ہے:

"اہل دل، عارف معارف حق — صاحب وجد، تارک مطلق!
صاحب حال، کامل ابدال — محرم خلوت حریم وصال!
بحر عرفان، کنوز دانائی — مہر ایقان، چراغِ بینائی"

ان باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قلندرؒ شہباز حضرت غوث العالمؒ کے مرید نہیں تھے بلکہ دوستی، احترام اور عقیدت کی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے۔

سید جلال الدین سرخ بخاریؒ:

جب حضرت غوث بہاؤالحق ملتان میں رہتے تھے انکی ملاقات نجیب الطرفین سید علی سے ہوئی۔ حضرت غوث کے بغداد چھوڑنے کے بعد سید مذکور انکی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے۔ ان کے صاحبزادے حضرت جلال الدین اس تعریف سے کافی متاثر ہوئے اور حضرت غوث سے ملنے ملتان آگئے اور واپسی پر سندھ کے شہر بکھر (جو روہڑی اور سکھر کے درمیان ہے) میں سکونت اختیار کر لی[1]

ان کا پورا نام جلال الدین لقب جلال سُرخ تھا اور ان کے نسب کا سلسلہ مندرجہ ذیل ہے:

---

[1] اخبار الاخیار

"سید جلال الدین جلال سُرخ بن ابی المر ید علی بن جعفر بن محمود بن احمد عبداللہ بن علی اصغر بن عبداللہ جعفر بن امام علی نقی"۔[۱]

یہ حضرت غوث کے نہ صرف دوست تھے اور ان کے ساتھ سیر و سفر کیا بلکہ ان کی خلافت کا خرقہ بھی حاصل کیا[۲]۔

یہ بڑی معرفت کے بزرگ گزرے ہیں۔ سفینۃ الاولیاء کے مصنف لکھتے ہیں کہ:

از بزرگان صحیح است جلیل القدر اور جامع علوم ظاہر و باطن بودند[۳]

بکھر کے سید بدر الدین کی چھوٹی بیٹی کے ساتھ ان کا نکاح ہوا۔ تحفۃ الکرام اور اخبار الاخیار میں ہے کہ سید بدر الدین کو بشارت ہوئی کہ وہ اپنی بیٹی سید جلال الدین کے نکاح میں دے دیں۔

تحفۃ الکرام میں سید بدر الدین کا ذکر اس طرح ہے[۴]:

"سید بدر الدین عرف سید بدر بن سید صدر الدین خطیب کا سلسلہ معتبر روایتوں کے مطابق امام علی نقی سے جا ملتا ہے۔ ان کی ذاتی صفات معرفت و دینی حقیقت ہے۔ اولاد خاندان کی سرداری، نسب کی بزرگی سارے روہڑی میں

۱۔ بزم صوفیہ صہ ۳۹۵ ۲۔ اخبار الاخیار صہ ۲۱ ۳۔ اخبار الاخیار صہ ۲۱

۴۔ بکھر کسی زمانے میں وسطی سندھ کا دار الحکومت تھا جس کے آثار آج بھی روہڑی اور سکھر کے درمیانی پل کے قرب و جوار میں موجود ہیں۔

مشہور ہے۔"

عزیزوں اور دوست احباب کی خواہش پر سید جلال ۱۲۴۴ء میں بکھر آ بسے اور ان کے طفیل یہ جگہ اسلام کی غیر معمولی تبلیغ کا مرکز بن گئی۔ اس کے بعد پنجاب میں سیالوں کے شہر جھنگ کی بنیاد ڈالی اور ساری عمر پنجاب اور سندھ میں اسلام کی تبلیغ کرتے رہے اور بہت سی قوموں نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ ۹۵ سال کی عمر میں ۱۲۹۱ء میں اُوچ میں انتقال ہُوا اور وہیں مدفن بنا۔

آپ کے بیٹوں میں حضرت سید احمد کبیر سید بہاؤالدین اور سید محمد تھے سید محمد کے حضرت جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت فرزند تھے جو ایک بڑے پائے کے بزرگ گذرے ہیں۔ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کے پوتے حضرت رکن الدین کے بڑے خلیفہ ہوئے۔ دہلی کے بادشاہ فیروز تغلق ان کے بڑے معتقد تھے اور انہوں نے "شیخ الاسلام" کا عہدہ سونپا تھا۔

شجرہ سادات بخاری

مخدوم سید جلال الدین سرخ بخاری بن سید علی بن سید جعفر۔ بن سید محمد بن سید محمود۔ بن سید احمد بن سید عبداللہ۔ بن سید علی اصغر۔ بن سید جعفر ثانی بن حضرت امام علی نقی علیہ السلام۔

۲؎ اخبار الاخیار صـ ۶۱ آب کوثر صـ ۹ - ۳۱ بحوالہ بہاولپور

شجرہ سادات بکھری (بھاکری)

سید بدرالدین بن سید صدرالدین بن سید محمود مکی بن سید محمد عیسیٰ شجاع بن سید ابراہیم بن سید قاسم بن سید حمزہ بن سید ہارون بن سید عقیل اسمٰعیل بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن حضرت امیرالمؤمنین علی نقی علیہ السلام۔

حضرت بابا فرید شکر گنجؒ

حضرت بابا فریدؒ چشتی طریقت سے تعلق رکھتے تھے اور معرفت کی اعلیٰ منزلوں پر فائز ہوئے۔ آپ کا نام فریدالدین اور لقب گنج شکرؒ تھا۔ آپ کی تاریخ ولادت پر اختلاف ہے۔ صاحب بزم صوفیہ نے ۵۸۲ھ دی ہے جبکہ سیرالاولیا و دیگر تواریخ میں ۵۶۹ھ ہے اور آپ کے روضۂ اقدس پر بھی یہی تاریخ رقم ہے۔

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ بیعت کے وقت آپ کی عمر ۱۸ سال تھی اور بیعت کے بعد ۸۰ سال تک آپ زندہ رہے اس لحاظ سے آپ کی سن ولادت ۵۶۹ھ ہی ہوتی ہے کیونکہ آپ کا انتقال ۶۶۴ھ میں ہوا۔

آپ کے والد بزرگوار کا نام مولانا جمال الدین سلیمان تھا۔ انہوں نے گنج شکرؒ کو ابتدائی تعلیم گاؤں کے عالم سے ہی دلائی اور اس کے بعد ملتان بھیج دیا جہاں

آپ نے قرآن حفظ کیا اور مولانا منہاج الدین کی مسجد میں فقہ کی مشہور کتاب "نافع" شروع کی۔ ایک روز آپ "نافع" پڑھ رہے تھے کہ خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی مسجد میں نماز پڑھنے آئے اور خواجہ صاحب کی تیز نگاہیں حضرت بابا فریدؒ پر پڑ گئیں۔ چند لمحوں کی گفتگو کے بعد خواجہ صاحبؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی۔ بزمِ صوفیہ میں تحریر ہے کہ خواجہ نے بیعت کے وقت حضرت باباؒ سے مخاطب ہو کر یہ رباعی پڑھی۔

مقبول تو جز مقبل جاوید نشد
وز لطف تو ہیچ بندہ نومید نشد
لطفت بکدام بندہ پیوست دمے
کان ذرہ بہ از ہزار خورشید نشد!

کئی تواریخ میں تحریر ہے کہ بیعت ملتان میں نہیں ہوئی تھی بلکہ بابا فریدؒ جب دہلی گئے تو ہوئی۔ حضرت خواجہ حسن نظامی نے لکھا ہے کہ مولانا جمالی ملتانی نے بیعت کی تصدیق اس طرح کی کہ:

"در ملتان حضرت شیخ فرید الدین مسعود بہ شرف ارادت مشرف شد"

آگے تحریر ہے کہ:

"بتحقیق پیوستہ است کہ حضرت فرید الدین مسعود در ملتان بیعت حضرت زبدۃ الاسرار شیخ الاسلام قطب الدین کاکی روشنی مشرف شد"

جب حضرت خواجہ صاحب دہلی روانہ ہوئے تو حضرت بابا فرید بھی آپ کے ہمسفر ہوئے اور پھر مرشد کے حکم کے مطابق ملتان آ گئے۔ کچھ عرصہ یہاں رہے اور پھر تعلیم حاصل کرنے قندھار چلے گئے اس کے بعد شہاب الدین سہروردی، سیف الدین باخرزی، سعید الدین حمیدی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ فرید الدین نیشاپوری جیسے صوفیوں اور بزرگوں کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔
پانچ سال کی سیاحت کے بعد اپنے مرشد کی خدمت میں دہلی واپس ہوئے اور انہیں کسی نے غزنی دروازے کے بُرج کے نیچے جگہ نذر کی جسے انہوں نے مُرشد کی اجازت کے بعد قبول کر لیا اور یہاں ریاضت و عبادت میں مشغول ہو گئے اور پھر مرشد کی اجازت سے "ہانسی" چلے گئے لیکن معتقدین کے ہجوم سے تنگ آکر "اجودھن" چلے گئے اور یہاں کچھ عرصہ سکون و تنہائی سے رہے۔

حضرت بابا فرید یہاں تمام دن ریاضتوں میں مشغول رہتے۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ مسلسل ۲۰ سال کٹھن تر ریاضتیں کیں، بغیر کھائے پئے روزے پر روزہ رکھا اور جس روز زیادہ تکلیف وضعف آتا تو کچھ کھا پی لیتے۔ رمضان کی ہر رات تراویح و قرآن حکیم کا دور مکمل کرتے۔ کبھی کبھی دس سیپارے پڑھ ڈالتے۔ کہتے ہیں کہ جب ایک محفل میں یہ شعر پڑھا گیا تو بے ہوش ہو گئے

در کوئے عاشقان چناں جاں بدھند
کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

۶۶۴ھ میں انتقال فرمایا۔
آپ کے مریدوں میں حضرت نظام الدینؒ اولیا دہلوی جیسے قابلِ ذکر عارف گزرے ہیں۔

سیر و سیاحت اور سہون میں قیام

حضرت شہباز قلندرؒ کو بچپن سے ہی سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا اور انہوں نے یقیناً بہت سیاحت کی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس سیاحت کی تفصیلات میسر نہیں ہیں تاہم یہ بات مصدقہ ہے کہ آپ نے مشہدِ اقدس میں "امام موسیٰ کاظم" کے مزار کی زیارت کی، فریضۂ حج ادا کیا، کربلا معلےٰ جانے کا شرف نصیب ہوا جہاں بابا ابراہیم ولی اللہ سے ملاقات ہوئی اور ان سے فیضیاب ہوئے اور مُرشد کے حکم کے مطابق سندھ کا رُخ اختیار کیا۔

سلسلہ بزواری کے ایک بزرگ کا کہنا ہے کہ کربلا معلےٰ میں ہی "میر کلاں" سے ملاقات ہوئی اور آپ نے سہون جانے کا حکم دیا۔[1]

---

[1] "الشہباز" جلیل سہوانی

کربلا سے بغداد آئے اور یہاں بزرگوں اور علماء سے ملاقات کی اور بغداد میں ہی سید علی سرمست کے مرید ہوئے جس سے آپ کا سلسلہ چلا۔ آپ نے سید علی وزیر کو اپنا مرید بنایا جو آپ کے ساتھ ہی سندھ آئے اور ہمیشہ شہباز قلندرؒ کے ہمراہ رہے اور اب بھی ان کا مزار قلندرؒ شہباز کے مزار کے باہر مسجد سے مشرق کی جانب ہے۔

بغداد سے مکران کی راہ ہوتے ہوئے سندھ میں تشریف لائے۔ مکران میں وادی پنج کور اور نہر رخشاں کے جنوب میں ایک سرسبز میدان میں چلہ کشی کی۔ یہاں ہزاروں مکرانی و بلوچی آپ کے مرید ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ میدان آج بھی اسی نسبت سے "دشت شہباز" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے[۱]۔ اور یہی سبب ہے کہ آج بھی جب قلندر شہباز کا عرس ہوتا ہے تو ہزاروں بلوچی اور مکرانی نہایت عقیدت سے سیہون آتے ہیں۔

پسنی کی بندرگاہ کے ٹیلہ کی دوسری سمت "لعل بکر" نامی ایک بزرگ کا مزار ہے۔ روایت ہے کہ یہ بزرگ ایک گڈریئے تھے اور بکریاں چرایا کرتے تھے لیکن جب یہ شہباز قلندرؒ سے ملے تو ان کی نظر کرم سے "لعل" لقب حاصل کیا۔ یہ واقعہ اس امر کی شہادت کے لیے کافی ہے کہ آپ جب مکران میں آئے تھے تو یقیناً

---

[۱] مکران گزیٹر صہ ۳۰۹

پسنی سے گزر ہوا تھا۔ اس کے بعد سفر کرتے کرتے ملتان وارد ہوئے جہاں ان کی ملاقات حضرت شیخ صدرالدین ملتانی سے اور یہیں حضرت جلال بخاری اور شیخ فرید سے صحبتیں رہیں اور آخری عمر تک عقیدت واحترام اور ملاقات کا سلسلہ رہا۔

روایت ہے کہ ملتان کے بعد یہ ہندوستان کے اہم شہروں میں بھی گئے مثلاً جوناگڈھ گئے اور ایک درویش سے ملاقات کی[1]۔ روایت یہ بھی ہے کہ "آپ جب بوعلی قلندرؒ سے ملے تو انہوں نے فرمایا کہ ہندوستان میں تین سو قلندر موجود ہیں بہتر ہے کہ تم سندھ جاؤ۔ چنانچہ آپ ان کے مشورے پر سندھ آئے[2]۔"

بوعلی قلندر سے آپ کی ملاقات تاریخی لحاظ سے ممکن تو ہے لیکن یہ مشورے والی بات درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ آپ اپنے مُرشد کے حکم سے سندھ گئے تو پھر یہاں مشورے کی ضرورت پیش آنا قرینِ قیاس نہیں ہے اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے شہزادے محمد کی ملتان میں رہنے کی پیشکش قبول نہیں کی تھی۔

ایک روایت کے مطابق آپ گرنار بھی گئے تھے اور وہاں سے یہ بات منسوب ہے کہ جب آپ وہاں گئے تو ایک شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اس کا بیٹا گُم ہوگیا ہے آپ اسے تلاش کردیں۔ آپ ایک خانقاہ میں گئے جہاں سات بُزرگ

۱؎ الشہباز ۲؎ تحفۃ الکرام ج ۳ صہ تذکرہ صوفیائے سندھ صہ ۲۰

رہتے تھے، وہاں سے آپ اس لڑکے کو نکال لائے ۔ یہ لڑکا بھی آپ کی نظرِ فیض سے درویش ہوگیا ۔ الغرض سہون آنے سے قبل آپ نے ہندوستان کے بہت سے شہروں کی سیاحت کی ۔

سہون میں آمد:

قلندر نامہ کا دعوٰے ہے کہ آپ سہون میں تشریف لائے اور اس ضمن میں انہوں نے ایک فارسی شعر سے تاریخ نکالی ہے جو اس طرح ہے : ؎

چوں بازِ آشیانِ قدس شہباز سیوستان را نمودہ جنت آسا

سہون میں آمد کے سلسلے میں عوام و خواص میں مختلف روایات گشت کرتی ہیں ۔ کہتے ہیں کہ سہون آنے سے قبل قلندر شہباز ملتان میں حضرت شاہ صدر[1] سے ملے تھے ۔

---

[1] شاہ صدرالدین بن میر علی مکی کی اولاد میں سے ایک بڑے ولی اللہ ہیں اور ایک طویل عمر پا کر وفات پائی ۔ ہندوستان کے بڑے بڑے بزرگ انہی سے ملاقات کے لیے آتے تھے مثلاً خواجہ عثمان ہارونی، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (العارفین مجموعہ بہشت، بہشت اردو صـ۱۴۱) خواجہ فریدالدین گنج شکر (مجموعہ ہشت بہشت صـ۳۰) ۔ ان کی اولاد میں بھی ولی اللہ پیدا ہوئے ہیں جن کی درگاہیں آج بھی سندھ میں مختلف جگہ ہیں ۔ پیر آف پگاڑا اور پیر اور جھنڈا انکی اولاد میں سے ہی ہیں ۔

آپ جب واپس آنے لگے تو صدر الدین نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ اپنی اولاد کرتا ہوں جو تمہارا ہمیشہ ساتھ دے گی۔ چنانچہ اپنا پوتا شاہ صلاح الدین اُن کی خدمت میں دے دیا[1]۔ سید صلاح الدین کو ہی قلندر شہباز کے دربار کی سجادہ نشینی نصیب ہوئی۔

ایک دوسری روایت ہے کہ آپ اپنے تینوں احباب (خواجہ معین الدینؒ خواجہ فرید الدینؒ اور عثمان ہارونیؒ) کے ہمراہ شاہ صدر الدین سے ملے تھے[2]۔ بہر حال سہون میں آنے سے قبل صدر الدین سے ملاقات ضرور ہوئی تھی۔

سہون میں جب آئے تو آپ نے اسی جگہ قیام کیا جو آج آپ کی درگاہ ہے اس وقت یہ ہندو فاحشہ عورتوں کی آماجگاہ تھی۔ آپ جس روز آئے اس روز جو بھی ان فاحشہ عورتوں کے پاس آیا وہ اپنے مطلب میں قادر نہ ہوا۔ سب نے ایک دوسرے سے پوچھا اور حیران ہوئے کہ آخر کیا ماجرا ہے۔ ہوتے ہوتے لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ "ولی اللہ" آ گئے ہیں۔ اس کا اتنا اثر ہوا کہ عورتیں اور مرد آپ کے قدموں میں گر گئے اور سچے دل سے توبہ کر کے آپ کے فیض سے مستفیض ہونے لگے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ آپ کے آنے سے قبل اس علاقے کی سرسبزی و شادابی میں کمی ہو گئی تھی لیکن آپ کی آمد سے یہ علاقہ پھر سرسبز و شاداب ہو گیا۔

---

(۱) تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۱۳۷، (۲) شاہ صدر نمبر ص ۱۳

سندھ میں آمد کے وقت

سندھ کی سیاسی حالت

قلندر شہباز جب سندھ میں تشریف لائے تو اس زمانہ میں سندھ پر سومرا خاندان حکمران تھا۔ سومرا خاندان ایک قدیم خاندان ہے اور اس خاندان نے ایک طویل عرصہ تک حکمرانی کی ہے لیکن بدقسمتی سے اس خاندان کے تاریخی پسِ منظر پر تاریکی کے پردے حائل ہیں اور ہمیں مفصل اس خاندان کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ تاریخ معصومی، فرشتہ، تحفۃ الکرام، تاریخ طاہری میں جو کچھ بھی ذکر ملتا ہے وہ بہت مختصر ہے اور کسی بھی طرح اس خاندان کے شایانِ شان نہیں۔ اس پر بھی جن سومرا حکمرانوں اور ان کی حکومت کا ذکر میسر ہے، وہ ذیل میں دیا جاتا ہے لیکن یہ ذکر بھی اختلاف سے پُر ہے۔

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ قلندر شہباز کا سندھ میں تشریف لانے کا

زمانہ ۹۳ھ ۶ تصور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں تاریخوں میں جن سندھی حکمرانوں کی فہرست ملتی ہے وہ درج ذیل ہے:

تاریخ	نام	سن وفات	حاکم نمبر
تحفۃ الکرام	محمد طور	۶۵۴ھ	۱۰
دولت علویہ	شمس الدین پونگر	۶۷۸ھ	۱۴
منتخب التواریخ	محمد طور	گدی نشینی کا سن ۶۳۶ھ	۱۰

"جہاں تک دولت علویہ کا تعلق ہے تو وہ اتنی معتبر و مستند کتاب تصور نہیں کی جاتی اور اس کی حیثیت ناول اور افسانہ سے زیادہ نہیں ہے[۱]" اور اس طرح اب محمد طور کو ہی سندھ کا حاکم تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

۶۲۳ھ سہوستان کے پرگنہ پر ملک خاں خلجی کا قبضہ ہوا اور وہ التمش کا طرفدار تھا۔ اس کا مقابلہ قباچہ خاں سے ہوا جس میں ملک خاں مارا گیا اور ۶۲۴ھ میں التمش نے اپنے وزیر نظام الملک محمد بن ابی اسعد کو سندھ کی ولایت سونپی اور اسے قباچہ کو زیر کرنے کے لیے روانہ کیا[۲]۔

۱۹ جمادی الآخر ۶۲۵ھ بروز سینیچر بوقت شب یہ سندھ روانہ ہوا اور قباچہ خاں کو سکھر کے مقام پر عبرتناک شکست دی اور اس کے بعد نظام الملک

۱۔ روزنامہ الوحید "سندھ آزاد نمبر" ص ۸۷ ۲۔ تاریخ معصومی ص ۳۶۔

ہی والئ سندھ رہا۔[1]

صاحب تاریخ معصومی کا کہنا ہے کہ "اس نے سندھ کا نظام احسن طریقہ سے رکھا اور شہر کی آبادی اور رعیت کے آرام کے لیے بہت کوششیں کیں اور آخر ۴۲۳ھ میں نورالدین محمد کو ولایتِ سندھ سونپ کر خود دلی واپس چلا گیا۔"[2]

اس نے نہ صرف سندھ کے بالائی حصّہ پر قبضہ رکھا بلکہ زیریں علاقہ کو بھی زیر کیا جہاں پر سومرو حکمرانوں کا قبضہ تھا۔ سومرو کے عہد میں کوئی مستقل اور پائیدار اور متحدہ حکومت نہ تھی بلکہ یہ بھی سندھ کے کچھ علاقہ پر قابض تھے۔ اور مسلمان حکمرانوں کے اطاعت گذار تھے۔ صاحبِ تحفۃ الکرام نے لکھا ہے:

"یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ سومرو قوم نے سندھ پر دو سو سال تک حکمرانی کی اور سندھ کے ایک حصّہ پر تخت و تاج کے مالک رہے لیکن تاریخ ان سے انصاف کرنے سے قاصر رہی اور جس جس طرح مسلمان حکمرانوں کی اطاعت گزاری بڑھتی رہی اور سومرو گرفت ڈھیلی ہوتی رہی اسی طرح یہ پسِ منظر میں جاتی رہی۔"[1]

سندھ میں باقاعدہ حکومت کی بنیاد سلطان محمود کے فرزند عبدالرشید کے زمانہ میں پڑنا شروع ہوئی۔ عبدالرشید سادہ، کم عقل و عیاش تھا جس کے نتیجے میں سرحدوں پر شورشیں برپا ہونا شروع ہوئیں۔ سومرو قوم نے سندھ کی ترائی میں

ح[1] لباب الالباب از علامہ قزوینی ح[2] تاریخ معصومی ص ۳۶، ۳۷

ح[1] تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۲۷

حملہ کیا۔ "سومری" نامی ایک شخص گدی نشین ہوگیا۔[1]

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سومرو خاندان حکومت سے پہلے غزنوی خاندان کا باجگزار تھا اور بعد ازاں ان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر خود مختاری حاصل کر لی اور اس کے بعد وقتاً فوقتاً بغاوتوں کے ذریعہ خود مختاری حاصل ہوتی گئی۔ ہندوستان کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پانچویں صدی ہجری میں ناصر الدین قباچہ نے ان کی گدی سے تعاون کرتے ہوئے سندھ پر راج کیا۔

"طبقاتِ ناصری" میں ملتا ہے کہ قباچہ کے مرنے کے بعد، سندھ سمندر کے کنارے تک فتح ہوگیا اور دیول اور سندھ کا والی ملک سنان الدین چنیر التمش کا تابع ہوا۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سومروں کی حکومت سندھ کے زیریں علاقہ میں تھی اور سہون ان کی حکومت میں شامل نہیں تھا۔ تحفۃ الکرام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں فقط بکھر، سہون، سندھ کی بڑی بڑی حکومتیں تھیں اور باقی سارا سندھ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم تھا اور اس میں سہون ملتان کا پرگنہ تھا۔

تحفۃ الکرام میں آیا ہے کہ:

---

[1] تاریخ معصومی ص ۶۰ تحفۃ الکرام ص ۳۵ نے سومرو کی گدی نشینی کی تاریخ ۴۴۵ھ بتائی ہے۔ عجائب الاسرار (اردو ترجمہ ص ۱۴) نے ان کی تخت نشینی کا سن ۱۰۵۱ء دیا ہے۔

[1] طبقات ناصری ص ۱۲۳

"سندھ پر ناصر الدین قباچہ کا حکم چلتا تھا لیکن سندھ کی سات جگہوں پر ملتان کے پروردہ راجاؤں کی حکمرانی تھی' مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) سنھو (پونر) تعلقہ درپہلو (۲) سمر ولد ومانج' کورت بجو سمو ا بمقام تونگ (جو کہ جورو پارہ کی حدود میں ہے) (۳) جیسر ولد ججہ رجو ماچھی سولنگی بمقام مانگنارو (۴) وکیو ولد پھنوں چنو بمقام سیوٹی (۵) چنو ولد ڈھیر (دینو) ذات چنوں ساکن باگ (نتی) ناراہ (۶) جیو بن دریاہ ساکن جھم (ہمیر کوٹ) (۷) جسوڈان اگرو بمقام ٹکر تعلقہ پانپرواہ"

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قلندر شہباز کی آمد سے تھوڑی مدت قبل قباچہ' التمش کے زمانہ میں سندھ کا حکمران تھا اور اس نے مختلف حصوں میں جدا جدا حاکم مقرر کر رکھے تھے اور سارے علاقہ پر سومرو کی حکومت نہیں تھی۔ ان کے زمانہ میں کچھ علاقوں پر ہندو راجاؤں کا قبضہ تھا۔

سومرو عہد کے ابتدائی زمانہ میں ظالم ہندو راجہ دلوارا[۱] کا قصہ تحفۃ الکرام میں موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی گدی برہمن آباد میں تھی اور اس زمانہ میں "قدرہ" اور اس کے چھوٹے بھائی چنو امروٹی[۲] نے اسلام قبول کر لیا۔ لوگ راجہ کے مظالم

۱؎ تحفۃ الکرام صـ ۴۳ تا ۴۶

۲؎ چنو امروٹی کا مقبرہ سیہون کے باہر قدیم مقام پر ریلوے سٹیشن کے قریب ہے۔

سے تنگ تھے۔ مسلمانوں کے خلیفہ نے اس جانب توجہ دی۔ تبلیغ کرنے اور مظالم سے نجات دلانے کے لیے سید علی مکی[۲] کو فوجی دستہ دے کر روانہ کیا۔ سید علی مکی نے دلوارائے کو شکست دی اور وہ تائب ہوکر مسلمان ہوگیا اور سید علی مکی کے عقد میں اپنی بیٹی دے دی جس سے چار نامور فرزند ہوئے۔ (۱) سید محمد (۲) سید مرادیو (۳) حاجی عرف پرکیو (۴) سید جگو[۳]۔ تحفۃ الکرام شاہ صدرالدین کو محمد کا بیٹا بتاتا ہے اور اسی سے یہ گمان کیا جاتا ہے کہ

شاہ صدرالدین سید علی مکی کے

پوتے تھے جن سے سندھ آنے سے قبل قلندر شہباز نے ملاقات کی تھی۔

التمش نے ۲۰ شعبان سن ۶۳۳ھ بروز پیر وفات پائی۔ ۶۳۹ھ میں جبکہ اس کا پوتا سلطان مسعود شاہ ابن رکن الدین فیروز شاہ تخت پر بیٹھا تو اس نے نورالدین کو موقوف کردیا اور ملک جلال الدین حسین کو گورنر بنایا[۴]۔

۱۔ طبقات ناصری

۲۔ سید علی بن سید عباس بن سید حسین بن سید ارشد بن سید زید بن سید جعفر بن سید ہارون بن سید عبداللہ الاشرف بن سید قاسم بن سید عبداللہ بن امام موسیٰ کاظم۔

(تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۱۴۱)

۳۔ تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۱۴۱ (ب) تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۱۴۲

۴۔ تاریخ معصومی ص ۳۷

اس طرح تاریخِ سندھ میں گورنروں کے ناموں میں ملک خاں خلجی کے بعد سہون کے حاکم کا نام نہیں ملتا۔ سہون کے لیے جدا حاکم ضرور مقرر ہوئے جو سندھ کے گورنر کے ماتحت ہوتے تھے لیکن تاریخ میں ان کے نام نہیں ملتے۔ سہون کے حاکم کا دوبارہ نام ۶۴۹ھ میں ملتا ہے جبکہ حضرت قلندرؒ شہباز سہون تشریف لائے۔ صاحب تاریخِ معصومی کا کہنا ہے کہ "جبکہ ناصر الدین محمود بن التمش دہلی کے تخت پر بیٹھے تو اس روز ۲۲ شوال ۶۴۹ھ اور پیر کا روز تھا۔ وہ ملتان، اچھ، بکھر کو روانہ ہوا۔ اور سیوستان کی ولایت قتلغ خاں اور اچھ ملتان کی سنجر کے حوالے کر کے پایۂ تخت دہلی روانہ ہو گیا۔[1]

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ سلطان ناصر الدین نے سندھ کا صرف ایک حاکم بنایا یا اچھ، بکھر، سیوستان وغیرہ کے جدا جدا حاکم مقرر کئے۔ ایک اور جگہ آیا ہے کہ:

"حضرت قلندرؒ شہباز جب ۶۴۹ھ میں سندھ میں آئے تو قتلغ خاں بھی اسی زمانہ میں سندھ کا حاکم مقرر کیا گیا"

عوام میں مشہور ہے کہ "لعل سائیں" کی آمد کے وقت ایک ظالم ہندو راجہ حکومت کرتا تھا جس کا نام جیسر اور "چوپٹ" لقب تھا۔ اس کے سلسلے میں اندھیر نگری چوپٹ راج والی کہاوت پوری اترتی ہے۔

---

[1] تاریخ معصومی ص ۳۸، تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۲۳ پر لکھا ہے کہ ناصر الدین ملتان آ کر سارا سندھ "ملک سنجر" کے حوالے کر کے واپس چلا گیا۔

اس ضمن میں ایک قصہ بتایا جاتا ہے کہ:

"لعل سائیں کی آمد سے قبل سہون میں طالب سکندر تشریف لائے اور وہ گلی کوچوں میں کہتے پھرتے تھے کہ میرا مرشد "لعل" آرہا ہے۔ یہ فقیر قلعے سے باہر جہاں ساہون راجہ رہتا تھا، اگر سنگھار کرتا تھا۔ اور نعرۂ مستانہ لگاتا تھا۔ راجہ کو اس فعل پر بہت غصہ آیا اور اس نے سہون کے ایک ظالم ہندو قصاب کو حکم دیا کہ وہ کسی بہانے اس فقیر کو قتل کر دے۔ لیکن اس راجہ کا نام تاریخ کو میسر نہیں۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس زمانے میں سندھ کے حصے بخرے تھے اور جدا جدا حاکم مقرر تھے اور ان میں ہندو راجہ بھی تھے اور مذکورہ بالا حاکم قتلغ خاں سے قبل ہی ہوگا جسے ۶۴۹ھ میں سلطان ناصر الدین نے شکست دے کر قتلغ خاں کو سہون کا حاکم مقرر کیا۔"

یہ لعل سائیں کی تشریف آوری کی برکت تھی کہ سہون نے اس ظالم و جابر راجہ سے نجات پائی۔ لعل سائیں ۶۴۹ھ میں سہون تشریف لائے اور اس زمانہ میں قتلغ خاں سہون کے حکمران تھے۔ قلندر شہباز نے اسی جگہ کو اپنی آماجگاہ اور تبلیغ کا مرکز بنایا۔

○

رشد و ہدایت

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ حضرت قلندر شہبازؒ نے سندھ میں آکر یہاں کے عوام کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کی، اصلاحی و تبلیغی مشاغل جاری کئے لیکن تاریخ پر پردے پڑے ہونے کی وجہ سے ہم اس تفصیل سے آگاہ نہیں۔

ان کا ایک کارنامہ تو یہ بھی تھا کہ ان کی آمد سے فاحشہ عورتوں نے فحاشی سے توبہ کی اور زمین کو بسانے کی طرف توجہ دی جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیمات میں محنت اور کسب حلال کا عنصر تھا اور آپ نے تارکِ دنیا ہونے کی بجائے اپنی قوتِ بازو سے محنت کرنے اور روزی کمانے کی تعلیم دی۔ اس طرح آپ نے نہ صرف روحانی اصلاح کے لیے کوشش کی بلکہ عوام کی اقتصادی اصلاح پر بھی توجہ دی۔

ان کا اصلاحی و تبلیغی کام صرف سہون تک محدود نہیں تھا بلکہ یہ سندھ میں جگہ جگہ

گھومے پھرے۔ تحفۃ الکرام اور لب تاریخ میں ہے کہ حضرت شہباز ؒ حضرت غوث العالم ملتانی ؒ حضرت بابا فرید گنج شکر ؒ اور سید جلال اُچھ شریف والے سندھ میں بہت گھومے پھرے۔[1]

خواجہ فرید گنج شکر کی سہون آمد، ان کے ملفوظات "راحت القلوب" ص ۱۷ اور بزم صوفیہ ص ۱۲۹ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ جن دنوں حضرت بابا فرید گنج شکر ؒ سیوستان کی سیر و سیاحت میں مصروف تھے تو ان کی شیخ اوحد الدین کرمانی سے ملاقات ہوئی اور اس ملاقات میں سہون کے ایک بزرگ کی صحبت کا ذکر کیا اور کہا:

"اللہ تعالیٰ جس کو سعادت بخشتا ہے، اس پر ذکر کے دروازے کھول دیتا ہے اور علاوہ قضائے حاجت کے ہر وقت ذکر ہوتا رہتا ہے۔"

حضرت شہباز قلندر ؒ کے سندھ میں گھومنے اور تبلیغ کرنے کے سلسلے میں تحفۃ الکرام میں لکھا ہے کہ:

"رکن پور، شیخ رکن الدین ملتانی کے نام پر ایک گاؤں ہے۔ یہاں سومرو ذات کے ایک شیخ ریحان رہتے تھے۔ شیخ رکن الدین ان کی زیارت کے لیے یہاں تشریف لائے تھے اور اسی نسبت سے اسے رکن پور کہا جانے لگا۔ اس سے قبل یہ گاؤں اپنے نام (ریحان) پر بھی پکارا جاتا تھا۔ شیخ ریحان کا اصلی نام چنیسر تھا۔

---

[1] تحفۃ الکرام ج ۳، لب تاریخ سندھ

کہا جاتا ہے کہ اتفاق سے جب شیخ رکن الدین اور مخدوم لعل شہباز یہاں تشریف لائے تو اس بنجر علاقے میں ایک قدرتی حسن پیدا ہو گیا۔ جس وجہ سے اسے انسانوں کی زیارت گاہ کہنے لگے۔

تحفۃ الکرام صد ۱۷۸ کی روایت کے مطابق حضرت قلندر شہباز اور شیخ ریحان شیخ دودی کی شہادت کے بعد یہاں فاتحہ خوانی کے لیے آئے تھے۔

تحفۃ الکرام نے رکن پور حیدر آباد کے قریب ایک گاؤں دکھایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لعل سائیں نے سندھ کے کونے کونے کی سیر کی تھی اور رشد و ہدایت کا پرچار کیا۔ اس طرح یہ سیاحت یقیناً تبلیغی لحاظ سے ہوتی تھیں۔

ایک مصنف "منگھی کے طوق" کے عنوان سے اپنی ایک تصنیف میں لکھتا ہے کہ:

"کراچی سے آگے ایک پہاڑ پر منگھو نامی ایک اہل اللہ بزرگ جو شیخ بہاؤالدین ملتانی کے ہمعصر تھے، دفن ہیں اور اسی پہاڑی پر مخدوم لعل شہباز کے نام پر ایک نہر ہے جس کے دونوں کناروں پر ایک بہت بڑا باغ ہے اور یہاں فقیروں کا مسکن ہے۔"

اگر منگھو پیر (کراچی) میں حضرت قلندر شہباز کے نام پر ایک نہر یا چشمہ موسوم ہے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قلندر شہباز نے اس علاقہ کی

---

(۱) تحفۃ الکرام (سندھی ترجمہ) صــ ۴۴۵، ۴۴۶

تبلیغی سیاحت کی ہو گی۔

حیدر آباد میں بھی ٹکر کے علاقہ میں ان کی چلّہ کشی کی جگہ مشہور ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے حیدر آباد کے قرب و جوار میں بھی سیاحت کی۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حیدر آباد کے نزدیک ساجن سوائی اور تاج الدین سے بھی طویل ملاقاتیں کی تھیں۔

ایک اور روایت ہے کہ بٹھی کے پیر، پیر بٹھی سے بھی آپ ملے اور لعل سائیں سہولت سے لاہوت گئے اور یہاں سے ہنگاج اور واپسی پر کراچی کے نزدیک منگھو پیر میں پیر منگھو سے ملے۔

بکھر میں شاہ صدر الدین رضوی کی درگاہ میں بھی آنے کی روایات مشہور ہیں۔

اسی طرح قلندرؒ شہباز کے تبلیغی دوروں اور سیاحت کے سلسلے میں اور بہت سی روایات ملتی ہیں۔ قلندر شہباز رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ خالقِ حقیقی کی عبادت بھی کرتے تھے اور آپ جب واپس آئے تو سہون میں فساد و شر کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ آپ ہمیشہ حق کی یاد میں پھر سے مشغول رہنے لگے۔

قلندر نامہ کے مصنّف نے لکھا ہے کہ:

"حکم اللہ کے بموجب سہون میں تشریف لا کر فساد کو بند کرایا اور حق کی یاد میں مشغول ہو گئے۔"

مشہور ہے کہ آپ نے سہون کے قریب ایک غار میں چلّہ کھینچا۔ یہ غار آج بھی سہون اسٹیشن کے پاس باغ میں ہے اور "لعل باغ" کہلاتا ہے۔

وصال

آپ کے فیض کے دریا سے تو بہت سے لوگوں نے فیض حاصل کیا لیکن ان میں بالخصوص عبداللہ شاہ ابدال، سکندر بودلو، بہار، سید علی، سرمست، سید عبدالوہاب اور سید میر کلاں ہیں اور جب آپ کے وصال کا وقت قریب ہوا تو آپ نے ان لوگوں کو چند ہدایات دیں اور مراقبے میں چلے گئے۔

آپ کے وصال کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ لبِ تاریخ سندھ[1] نے "برحمت" سے تاریخ نکالی ہے۔ اور وہ تاریخ ۶۵۰ھ (۱۲۵۲ء) ہے اور تاریخ ۲۱ شعبان بتائی جاتی ہے[2]۔

---

[1] صہ ۸ [2] قلندر نامہ سندھی ص ۴۵ "قدیم سندھ" از مرزا قلیچ بیگ مرحوم صہ ۳۴ اور گزیٹر والیم ص ۴۸ لاڑکانہ ضلع، مطبوعہ ۱۹۱۹ء میں وصال کی تاریخ ۲۲ شعبان دکھائی ہے۔

اس سن کے لیے جو اشعار شہادت کے لیے پیش کیے جاتے ہیں وہ یہ ہیں:

بجو تاریخ شمس الدین عثمان   بدر کن "رنج" از فلک کرامت

۷۹۱ - ۲۵۳ = ۵۳۸

سن عمرش "ولی اللہ" وفاتش ۱۱۲

سروش۔ غیب میگوید "برحمت" ۶۵۰ھ

یعنی ۵۳۸ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔ ۱۱۲ سال کی عمر پائی اور ۶۵۰ھ میں وصال ہوا۔ مقالات الشعراء میں ۶۷۳ھ (۱۲۷۴ء) میں تاریخ وفات اس طرح بتائی اور منظوم کی گئی ہے۔

چون رفتہ سری جعفا بن آں شیخ   کون زبدۂ آل و پاک نام است

از ہاتف غیب می شنیدید   عثمان بہ دوازدہ امام ست

۶۶۱ + ۱۲ = ۶۷۳ (۶۷۳ھ)

میر قانع نے تحفۃ الکرام کی ہی تاریخ وفات پر اتفاق کیا ہے۔ شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ مرحوم نے میر قانع کی تاریخ وفات کو نقل کیا ہے۔ کئی تاریخوں میں ۶۷۲ھ سن وصال بتایا گیا ہے[1]۔

حدیقۃ الاولیاء اور مآثر الکرام میں تاریخ وصال ۱۲ شعبان ۶۷۳ھ دکھائی

---

(۱) خزینۃ الاصفیاء ج ۲، صہ ۲۷۴

گئی ہے۔[1]

اگر ہم ان کا سن وصال ۶۵۰ھ مانتے ہیں تو سلطان محمود سے ان کی ملاقات ناقابلِ قبول ہے کیونکہ اس کا عہد ۶۶۳/۶۶۲ ہے اس طرح ۶۷۳ ہی درست ہے ڈاکٹر ایچ، آئی سدارنگانی نے بھی اسی تاریخ پر اتفاق کیا ہے۔[2]

شعبان ۱۸ سے ۲۰ شعبان تک ہر سال ان کی درگاہ پر ان کا عرس منعقد ہوتا ہے اور اس میں دُور دراز کے لوگ شامل ہوتے ہیں اور اپنے اس روحانی مُرشد کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ان عقیدت مندوں میں نہ صرف سندھ بلکہ مکران، پنجاب، بلوچستان اور سرحد تک کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔

درگاہ کی عمارتیں

درگاہ کے ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷ رجب ۷۵۵ھ میں ملک اختیار الدین جو فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں سیوستان کے والی تھے، روضہ تعمیر کرایا جو ۶ گنبدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں جو کتبہ ہے اس پر درج ہے کہ:

۱۔ حدیقۃ الاولیاء قلمی صـ ۶۳، نزہۃ الخواطر صـ ۱۹۵

۲۔ DR. H. I. SADARANGANIS THESIS OF PhD

بعہدِ دولت فیروز شہ سلطان دین پرور
کہ خاک درگہش سازند شاہان جہاں افسر
از ان گاہی کہ بر تخت شہنشاہی نشست ایں شہ
سراسر گشت از گیتی شعاع دولتش انور
عمارت شد مقام شیخ عثمان پیر مروندی[1]
کہ او ولی اللہ بود ہمہ سیر بحر بود و برتر!
اگرچہ اولیاء اندر زمان شیخ بس بودند
ولیکن در کرامت بود او از ہمگناں برتر[2]
چہ زیبا بارگاہی شد بہ ہفت طاق شش گنبد
کہ رنگ نہ فلک گشتہ زرشک بام او اختر[3]
بروز ہفتم از ماہ رجب مبنی شد ایں روضہ
بسال ہفت صد پنجاہ ہفت از ہجرت مہتر
نمایش کرد والی اختیار الدین ملک ارشد
امیر عادل و باذل تہمتن ثانی اسکندر

---

[1] لب تاریخ سندھ (ص ۹) میں "میمندی" ہے [2] لب تاریخ سندھ (ص ۹ پر) اس طرح ہے "ولیکن بود او از ہمگاں بالاتر و برتر" [3] حوالہ ایضاً۔ اس طرح ہے "چہ زیبا بارگاہی بہشتی طاق بر گنبد" [4] رنگ بام او اخضر

که تابوده است سیوستان نبوده است ایں چنیں والی
تقی اور مشفق و مکرم سخی او پاک دین پرور
امید آں ہست می باید جزائی ایں چنیں خیری
ہزاراں قصر در جنت بفضلِ ایزد اکبر

ایک دوسرے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ "سیوستان" کے والی فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں، صفر ۷۵۸ھ میں ولی اللہ علاؤ الحق بغدادی نے قبر پر ایک گنبد بنایا جس پر یہ کتبہ ہے:

شد بنا گنبد عالی بعہد شہریار — شاہ فیروز آنکہ بگرفتہ ست گبراں زد فرار
می سزد ہر بندہ درگاہ شاہِ دہر را — کو کند در سرفرازی بر سلاطین افتخار

○

شاعری

حضرت قلندرؒ لعل شہباز سے ایک کتاب "عشقیہ" منسوب ہے جس میں کچھ اشعار دوسروں کے بھی ہیں۔ اس عشقیہ نام کی وجہ سے ایک غلط فہمی بھی ہے وہ یہ کہ سترھویں یا اٹھارویں صدی میں ایک عارف حضرت شیخ عثمان انصاری، قادری، نقشبندی بھی گزرے ہیں جن کی کتاب بھی اسی نام سے منسوب ہے۔ قلندر نامہ کے مصنف مولانا حکیم فتح محمد سہوانی مذکورہ کتاب کو حضرت قلندر شہباز کی شاعری تسلیم نہیں کرتے اور ان کی رائے میں یہ کتاب شہباز قلندر کی اس لیے نہیں ہو سکتی کہ اس میں حافظ اور جامی کے اشعار شامل ہیں جو شہباز قلندر کے ایک عرصہ بعد گزرے ہیں۔

سندھ کے ایک زبردست عالم مخدوم میاں عبدالواحد سیوستانی اٹھارویں صدی عیسوی میں گذرے ہیں جنہوں نے اپنی کتاب "فتویٰ" میں لکھا ہے کہ

حضرت قلندر شہباز کبھی کبھی وجد کی حالت میں شعر کہتے رہتے تھے۔ انہوں نے اس ضمن میں مندرجہ ذیل غزل بطورِ مثال پیش کی ہے:

ز عشق دوست ہر ساعت درون نار می رقصم
گہی بر خاک می غلطم گہی بردار می رقصم!

شدم بدنام در عشقش بیا ای پارسا اکنون
نمی ترسم ز رسوائی بہر بازار می رقصم

بیا ای مطرب، و ساقی سماع و شوق را دردہ
کہ من از شادی وصلش قلندر وار می رقصم

اگر صوفی شدن خواہی بیا تا خرقہ پوشانم
چہ خوش زنار بربستم بر این دیدار می رقصم

مرا مخلوق میگوید گدا چندا چہ می رقصی
بدل داریم اسرار۔ ازاں اسرار می رقصم

خلائق گر کند بر من ملامت زیں سبب ہر دم
مگر نازم بر ایں ذوقیکہ پیش یار می رقصم[۱]

---

[۱] ایک قلمی نسخے میں حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی غزل کا مطلع ہے:

نمی دانم کہ آخر چوں دم دیدار می رقصم
مگر نازم بہ ایں ذوقے کہ پیشِ یار می رقصم

منم عثمان مروندی که یار خواجہ منصورم
نہ لرزم از ملامت آن کہ من بر دار می رقصم

من آن دُرّم کہ در بحرِ جلال اللہ بوداستم
بکوہِ طور با موسےٰ کلیم اللہ بوداستم
بہ آبی زندہ ہم بودم بہ خضری زندہ بوداستم
بہ اسکندر در آن لشکر بہ لشکر گاہ بوداستم
بہ اسماعیل پیغمبر بہ ابراھیم بن آذر
در آن سر وقت قربانی بہ قربان گاہ بوداستم
گہی بر تخت گریانم گہی بر دار خندانم
گہی در مذہبِ ترسا بسے محنت کشیداستم
دو صد جامہ کہن کردم لباسِ فقر پوشیدم
بر آن برجی کہ من بودم ہزاراں یک رسیداستم
ایا عثمان مروندی چرا مستی در ایں عالم
بجز مستی و مدہوشی دگر چیزی نہ دانستم

قلندر نامہ کے مصنف نے پہلی غزل شیخ عثمان انصاری اور دوسری شمس

تبریزی کی قرار دی ہے[۱]۔ لیکن یہ دونوں غزلیں شیخ عثمان انصاری کے "عشقیہ" اور شمس تبریزی کی کلیات میں نہیں ملتیں[۲]۔

حقیقت میں حضرت شمس تبریز کی ایک غزل اسی ضمین میں ہے جس وجہ سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔

سندھ اور برصغیر کے دیگر مؤرخین نے حضرت شہباز قلندرؒ کو باقاعدہ شاعر تسلیم کیا ہے۔ مولانا محمد ہاشم ٹھٹوی کی کتاب "مدح سندھ" میر علی شیر قانع کی کتاب "مقالات الشعراء" حضرت قادر بخش بیدل کی کتب "سند الموحدین" اور "رموز العارفین" (قلمی) مٹھا چند کی کتاب "رسالہ سوانح قلندر" (قلمی) بیاض صالح (قلمی) اور خداداد خاں کی کتاب "لب تاریخ سندھ" میں ان کے بہت سے اشعار دیئے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سی بیاضوں اور قلمی نسخوں میں بھی ان کے اشعار قلمبند ہیں۔ بہت سے فقراء اور درویشوں کی زبانوں پر ان کے اشعار ورد ہیں۔

ڈاکٹر ہوتل سدارنگانی نے اپنے پی۔ایچ۔ڈی کے مقالہ "PERSIAN POETS OF SIND" میں انہیں سندھ کا پہلا شاعر قرار دیا ہے[۳]۔

۱۔ ص ۱۷-۱۸ ۲۔ "POETS OF SIND" ص ۷ حاشیہ
۳۔ ص ۷-۸

ان کے کلام کا قلمی مجموعہ بھی ملا ہے البتہ وہ زیادہ ضخیم نہیں ہے۔ راجا تخلص کی جتنی غزلیں قصیدہ میں آئی ہیں وہ حضرت قلندرؒ شہباز کی نہیں ہیں اور وہ کلام تحقیق کرنے پر سید جلال الدین بخاری کے پوتے راجو قتال کی ثابت ہوئی ہیں اور باقی غزلیں و قصائد جن میں "شہباز" تخلص استعمال ہوا ہے وہ قلندرؒ شہباز کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتیں۔ موصوف کے کلام کا موضوع لب و لہجہ، عقائد اور مسائل قلندری رہی ہیں۔ مستی ان کے کلام میں حد کمال تک کارفرما ہے۔ جوش، جذبہ، انانیت کا اظہار اس انداز سے ہوا ہے کہ ان کے خیالات عام صوفیانہ اصطلاح سے مختلف اور بالکل منفرد ہو جاتے ہیں مثلاً:

وجودِ محض مطلق را ہمہ جا ہر زماں دیدم
بہر سوئے بہر کوئے بہر صورت عیاں دیدم
ہمہ وحدت، ہمہ کثرت ز کثرت ہم ہماں وحدت
بیک پرواز می بینیم کہ شہبازم بگویم حق!
بنورِ چشم باطن عینِ خود را عینِ آں دیدم

رقیبم برقیبم کہ خوبان جہانیم
نازیم بنازیم کہ در عین عیانم

نہ آبیم نہ بادیم نہ خاکیم و نہ آتش
مائیم بجز صورت و ماکون و مکانیم
نہ یمیم و نہ جنیم و نہ اینیم و نہ انیسیم

در عقل نہ گنجیم کہ آں نور خدائیم
در فہم نہ آئیم کہ بے نام و نشانیم
مطلوب نہ طلبیم کہ ایں طلب حرام است
اللہ نہ گوئیم کہ در شرک بمانیم
شہباز پریدم و از خویش گذشتم
با دوست بمانیم ولے دوست ندانیم

رسیدم من بدریائے کہ موجش آدمی خوارست
نہ کشتی اندر آن دریا نہ ملاحے عجب کارست
شریعت کشتی دارد، طریقت بادبان او
حقیقت لنگرے دارد کہ راہ فقر دشوار است

چوں آتش جملہ خوں دیدم تبرسیدم ازاں دریا
بدل گفتم چرا ستی گذر باید کہ ناچارست
ندا از حق چنیں آمد مگر از جاں نمی ترسی
ہزاراں جان مشتاقاں دریں دریا نگونسارا ست

کمند عشق در گردن ما مسرور خوش آید
خم و خمار خم ہم ازاں مخمور خوش آید
تجلیٔ جلالم کرد موسیٰ ، بیہ بے ہوشی
بہ بیں کار جلالم راکہ چوں بر طور خوش آید
قلندر من و شہبازم مرا آشیانہ گوناں گوں
بہر جا میروم آنگاہ باس نور خوش آید

گر تو بخواہی اسے دلا تا شاہ باشی دائما
ہر دم شدہ در حکا الا علی اللہ رزقہا
شہباز تن را شاد کن خود خانہ دل آباد کن
ایں سخن حق را یاد کن الا علی اللہ رزقہا

غزلیں:

(۱)

رسیدم من بدریائے کہ موجش آدمی خوارست
نہ کشتی اندران دریا نہ ملاحے عجب کارست
شریعت کشتی دارد طریقت بادبان او !!
حقیقت لنگرے دارد کہ راہ فقر دشوار است

چو آتش جملہ خون دیدم بترسیدم ازاں دریا
بدل گفتم چرا ترسی گذر باید کہ ناچارست
ندا از حق چنیں آید مگر از جاں نمی ترسی
ہزاران جاں مشتاقاں دریں دریا نگونسارست

بگفتم من ہمی آیم کمر بستم چو غواصاں
چہ ترسم از نگہبانے کہ گل پیوستہ با خارست
ایا عثمان مروندی سخن با پردہ داران گو
نیابی درجہاں یاری جہانے پر ز اغیارست

(۲)

کمند عشق در گردن مرا مسرور خوش آید
خم و خمار و خمرم ہم ازاں مخمور خوش آید
مطلع میشود خورشید جلال من چو بر آید!
جمالم میکندم ہم بدر یا نور خوش آید
تجلی جلالم کرد موسےٰ را بہ بے ہوشی
بہ بین کار جلالم را کہ چوں بر طور خوش آید
بیا اے مرد و راز بہ بین ازیں جا تو چرا لرزی
شہنشاہم ببزم من ہمہ مذکور خوش آید!
قلندر من و شہبازم مرا آشیانہ گوناں گوں
بہر جا میردم آنگاہ با من نور خوش آید!

(۳)

ز غم خواری غم غم غم غریبم
ندارم جز غم غم غم غریبم!
نماندہ در دلم جز غم غریبی
غریبی در غریبی ام غریبم

نمانده در دلم غم غیرِ جاناں
غمش را دوستم ہر دم غریبم
ندارم بے غمی را طاقت آورد
بغم خو کردہ ام چون غم غریبم
بجز غم خواری عشقت ندارم
دگر کارے ازاں با غم غریبم
غم عشقت دلم را تازہ دارد
ہمین بس درد را مرہم غریبم
چو عثمان جان و دل در باز پیشش
بغم شو آشنا ہر دم غریبم

(۴۴)

براہ عاشقی غم یار باید
رخش زرد و تنش بیمار باید!
نباید فکر دیگر ہیچ گاہے
بدرد و محنتش دشوار باید!!
بخواری و بمحنت انس گیرد
بر آہ و نالہ ہر دم زار باید!

زلذّات جہاں آزاد گردد
ہمیشہ دیدہ اش خونبار باید
تنش بیمار باید از غم عشق
دلش از تیر عشق افگار باید
بیا عثمان اگر وصلش بخواہی
ترا اوّل قدم بردار باید

(۵)

چہ بندی دل دریں نابود آخر
کہ نتوانی درو آسود آخر
بجز درد تو من کارے ندارم
دھد لیکن ستاند زود آخر
نہ بندد دل بدنیا مرد عاشق
ہر آنکو بست، شد مردود آخر
کہ دنیا جائے حظّ کافراں است
زجائے دوستان معبود آخر
اگر دنیا تمامی گنج دارد
بود آں گنج زہر آلود آخر

اگر مردِ خدائی، دل چه بندی؟
بباشی زیں بدر خوشنود آخر
فدا کن جان و تن در راه جاناں
اگر خواہی رہائی زود، آخر
نباشی زین جہاں بے غم زمانے
نگہ کن جملہ را بر بُود آخر
بیا عثمان بدر کن دل زعالم
اگر خواہی زحق بہبود آخر

(۶)

نمی بینی نمیدانی چه می ورزی چہا داری
چه نادانی نمی دانی چه می ورزی چہا داری
تو مرغ لامکان بودی، فرو ماندی دریں خاکی
که نادان تر ز نا داری چه می ورزی چہا داری
چرا بر خود ستم آری گہر گیری خزف چینی
مگر کوری نمی دانی چه می ورزی چہا داری
بیکدم میتوانی ہر دو عالم را خریدن تو
دے قیمت نمی دانی چه می ورزی چہا داری

چه مغروری درین فانی که فانی خود نمی ماند
دریغا در چه سامانی چه می ورزی چهاداری

برین بازی چه می نازی که بازی نیست خود قائم
بیا بگذر ازین فانی چه می ورزی چهاداری

اگر ترک جهاں گیری شوی سلطان عالم را
سر افلاک گزرانی چه می ورزی چهاداری

بیا عثمان چه درماندی فنا شو پیش از مردن
نه میری چون زخود مانی چه می ورزی چهاداری

(۵)

آن شاه هردو عالم عربی محمدؐ است
مقصود بود آدم عربی محمدؐ است

صد شکر آں خدائے که پشت و پناه خلق
شاهنشهے مکرم، عربی محمدؐ است

مارا ز جرم حال پریشان و لے چه غم
چوں پیشوائے عالم عربی محمدؐ است

مارا چه غم بود که چنیں سایه برسر است
غم خوار حال زادم، عربی محمدؐ است

بختم مدد نمود کہ از امتش شدم!
مطلوب و جان جانم، عربی محمد است

ختم رسل، چراغ رہ دین و نور حق!
آن رحمت دو عالم، عربی محمد است

آن سرور خلائق و آن رہنمائے دین
آن صدر و بدر عالم، عربی محمد است

آن کعبۂ معارف و آن قبلۂ یقین
آن شاہ دین پناہم، عربی محمد است

کن پیروی راہ وے ار بایدت نجات
شاہنشہے معظم، عربی محمد است

عثمان چو شد غلام نبی و چہار یار
امیدش از مکارم، عربی محمد است

(۸)

اے شاہ شاہ بقا با گدا نما
اے ماہ ماہ وفا با گدا نما

از محنت فراق چگویم دردِ دل
از شربت وصال عطا با گدا نما

دردم زحد گذشت و نداتم چہا کنم
از مرہم وصال شفا یا گدا نما
ہستم گدائے کوئے تو خواہم لقائے تو
شاہا جمال خود ز سخا یا گدا نما
ہم حاضری و ناظری در جملہ کائنات
انوار ذات عز و علا یا گدا نما
عثمان مدام از تو ترا خواہد از کرم
با خود بکش ز لطف، لقا یا گدا نما

(۹)

گر خدا را دوست داری خامشی باید گزید
با ہزاراں شور و زاری خامشی باید گزید
چوں زباں بندی دلت ہم خندد از فرخندگی
ہمچو گلہائے بہاری خامشی باید گزید
خامشی مس جودت را کند زر بے خلاف
وز دو عالم سر بر آری خامشی باید گزید
دار دائم در حضور دوست خود را دم بدم
جملگی با حق سپاری خامشی باید گزید

در زمیں دل ہمیں تخم محبت را بکار!
ز آب دیدہ کشت کاری خامشی باید گزید
گفتگو باد خزاں است و بہاری قلب را
نیست روئے دستگاری خامشی باید گزید
دمبدم چون باغبان شو پاسبان باغ دل
یک زماں غفلت نیاری خامشی باید گزید
در طلبگاری وصالش بندہ عثمان ببیں
میکند شب روز زاری خامشی باید گزید

فیض یافتہ شخصیتیں

شہباز قلندرؒ سے سندھ اور قرب و جوار کی بہت سی نامور ہستیاں مستفیض ہوئی ہیں، جن میں سے قابلِ ذکر شخصیتوں اور صوفیوں کا اجمالی خاکہ درجِ ذیل ہے :

سید علی سرمست

کئی کتب میں لکھا ہے کہ بغداد سے آپ کے ہمراہ تشریف لائے۔ حاجی موسٰی خاں رقمطراز ہیں کہ :

حضرت قلندرؒ شہباز کے دوست سید جلال الدین سرخ پوش کے فرزند تھے۔[1]
ان کے مرید تھے جن میں شیر اولیا، خواجہ بالی قابلِ ذکر ہیں۔[2]"

---

[1] شیخ عثمان ص ۳۸ [2] شیخ عثمان ص ۲۹

حضرت شہبازؒ ان پر کافی مہربان تھے اور ان کے وزیر مشہور تھے۔ قلندر شہباز کے پردہ کر جانے کے بعد آپ کے مریدوں نے ان کے ہی ہاتھوں پر بیعت کی اور آپ کی درگاہ کے پہلے خدمت گار بھی یہی بزرگ بنے۔ آپ کا مرقد درگاہ قلندرؒ کے اندر روضہ کے باہر چھوٹے گنبد کے نیچے ہے۔

سید عبدالوہاب :

انہوں نے لعل سائیں کے انتقال کے بعد اپنا جداگانہ تکیہ بنالیا اور اب ان کی گدی "مسید سمابو شاہ" کے نام سے مشہور ہے۔

سید عبداللہ شاہ عبداز علوی :

یہ بزرگ بھی قلندرؒ شہباز سے مستفیض ہوئے اور ایدالن والی کافی انہیں کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے بھی اپنی جداگانہ گدی بنائی اور یہ درگاہ "سید عدل دریا شاہ" کہلاتی ہے۔

سکندر بودلو

سکندر بودلو کا ذکر اس سے پہلے بھی آچکا ہے۔ ان کا روضہ قلعہ کے قریب ہے۔ آپ کے روضہ پر روزانہ حضرت شہباز قلندرؒ سے جداگانہ دھمال منعقد

ہوتا ہے۔

ہر جمعہ کی رات، رات گزرے بودلو بادشاہ کے فقیر رنگین پوشاک پہنے اور پیروں میں گھنگھرو، لعل سائیں کے مزار کی جانب ان کے دھمال میں شرکت کرنے رواں دواں ہوتے ہیں۔

سید میر کلاں

اس سے پیشتر بتایا جاچکا ہے کہ ان کی ملاقات شہباز قلندرؒ سے کربلا معلےٰ میں ہوئی تھی اور ان کے کہنے پر سہون آئے۔ صاحب "الشہباز" نے تحریر کیا ہے کہ:

"حضرت قلندرؒ شہباز کے مرشد بابا ابراہیم کے فرزند تھے جن کا شجرہ امام موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہے۔"

تحفۃ الکرام میں ہے کہ:

"یہ کربلا معلےٰ کے عظیم القدر سادات میں سے تھے۔ اس مبارک سرزمین سے نکلنے کے بعد پہلے قندہار پھر سندھ پھر سیوستان میں آگئے اور بڑا وقت شیخ عثمان مروندی کے مزار انور پر گذارا۔ یہ تقویٰ و زہد میں بے نظیر تھے۔ ان کی اولاد کافی تعداد میں تھی اور میر معصوم (تاریخ معصومی کے مصنف) ان کی اولاد میں سے تھے۔ لیکن اس ضمن میں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ یہ خاندان ان کی

ننھیال کا تھا نہ کہ دھدیال کا - میرِ معصوم کے والد سید صفائی، سلطان محمود خاں بکھر کی حکومت کے زمانہ میں (۸۹۸ء - ۶۸۲ء) قندھار سے بکھر آئے اور تھوڑے عرصہ کے بعد سہون کے مضافات کے ایک گاؤں "کاپڑوت" کے سادات گھرانے میں شادی کرلی، جس سے میرِ معصوم کی ولادت ہوئی [۱]۔

میر کلاں پہلے سہون کے مضافات میں "کاپڑوٹ" نامی گاؤں میں رہے اور پھر سہون آگئے اور لعل شہباز کی گدی میں ان کی اولاد حصہ دار ہوئی جس میں سید میر خسرو، سید میر انور علی، سید گھبن شاہ مشہور بزرگ ہیں اور آج کل اس خاندان کا چشم و چراغ سید صادق علی ہے۔

سید پورا بادل شیر

میر کلاں کے فرزند سید محمد کے خاندان میں کامل فقیر بھی گزرے ہیں - لعل سائیں کے روضہ میں پہلے یہ عبادت کرتے تھے - ایک دفعہ اولادی کے خاندان کے ایک شخص نے اپنا سر بلند کرلیا - اس پر شاہ اولادی کے خاندان کو لعل سائیں کی جانب سے حکم ملا کہ "اس گستاخی کی سزا کے طور پر روزانہ دھمال کے وقت ہاتھ باندھے کھڑا رہا کرے" اس لیے آج تک بادل شیر کی کافی والا فقیر

۱؎ تحفۃ الکرام ج ۳

دھمال کے خاتمہ تک اسی حالت میں موجود رہتا ہے۔

درگاہ کی جنوبی کھڑکی کی جانب بادل شیر کی کافی ہوتی ہے جہاں ان کا مزار ہے اور ان کی گدی پر سید غلام نبی شاہ ولد سید مہدن دریا ہیں جو قدیم روایات کو آج تک نبھار ہے ہیں۔

سید نہال شاہ نوری اور بیگن شاہ بھی میر کلاں کے خاندان میں گذرے ہیں لیکن نہال شاہ نوری کا روضہ جداگانہ ہے۔ صاحب تحفتہ الکرام نے ان کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"یہ کاپڑدفی کی سادات سے، جن کا تعلق سیہون کے ایک گاؤں رکندر سے تھا۔ اصلی متولی شیوخ سے زبردستی مخدوم علیہ کی درگاہ کے سجادہ نشین ہو گئے پیر کے فیض کی بدولت سادات کی اولاد سجادہ نشینوں سے بڑھ گئی اور درگاہ کے دروازے کے باہر تخت پر بیٹھنے کی خصوصیات عطا ہوئیں۔ یہی رسم ان کے جانشینوں میں چلی آتی ہے۔" (ص ١٣٧)

ان کے بعد خضر شاہ، اس کے بعد موجِ دریا سجادہ نشین ہوئے۔ اس خاندان میں "سید انور علی شاہ" بھی ایک کامل فقیر ہو گزرے ہیں جو بادل شیر کے طالب "گل شاہ" کے طالب تھے اور بہت عابد و زاہد تھے۔ اس طرح اس خاندان سے بہت فقراء ہوئے اور ان کے ذمہ درگاہ میں جھاڑو دینے کا بندوبست دیا گیا اور ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد کی بھی یہی ذمہ داری ٹھہری،،

سید انور علی شاہ کی وفات کے بعد جھاڑو دینے کی ذمہ داری پر نظیر شاہ نامی فقیر مقرر ہوئے۔ ان کے بعد ان کے گروہ کے فقرا وقتاً فوقتاً مقرر ہوتے رہے جن میں یقین شاہ، روشن علی شاہ، درباری شاہ، امان علی شاہ، خاکی شاہ، محبوب شاہ قطب شاہ، شمشیر علی، دیدار علی اور نادر علی شاہ جیسے بزرگ شامل تھے۔[۱]

سید صلاح الدین

اس سے قبل آچکا ہے کہ یہ بزرگ شاہ صدر الدین کی اولاد میں سے تھے اور لعل سائیں کے ہمراہ سیہون میں تشریف لائے تھے۔

تحفۃ الکرام میں رقم ہے:

"یہ بزرگ لکھیاری کے سادات میں تھے اور انہیں سجادہ نشینی کا شرف حاصل تھا۔"

صاحب الشہباز نے لکھا ہے کہ:

"لعل شہباز کے وصال کے بعد سیہون میں آئے۔ خدا نے انہیں اولاد کی کثرت سے نوازا تھا جو سب کے سب درویش اور اہلِ علم ثابت ہوئے۔ بعض لوگوں نے انہیں لعل سائیں کا حقیقی سجادہ نشین ثابت کیا ہے تاہم یہ ابراہیم شاہ کے

---

[۱] الشہباز

طالب تھے[۱]۔"

صاحب تحفۃ الکرام نے لکھا ہے کہ:

"یہ سادات کا خاندان اپنی ذاتی صلاحیتوں کی وجہ سے دین و دنیا میں نامور ہوا اور انہیں درگاہ کی سجادہ نشینی کی دولت ہاتھ آئی۔ اپنے اعمال اور پیر کی نظر کے فیض سے اپنے مریدوں اور متعلقین کی اصلاح کا موجب ہوئے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے سید پیر شاہ گدی نشین ہوئے اور درگاہ کی سجادہ نشینی سے سرفراز ہوئے۔"

تحفۃ الکرام میں ان کی توصیف و تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"یہ تہجد گذار تھے، نفلیں پڑھتے اور ساری رات عبادت میں گذار دیتے تھے۔"

"سندھ کے حاکم میاں نور محمد نے انہیں ایک دفعہ زیارت کرنے کے لیے اپنے پاس بلایا لیکن انہوں نے وہاں جانے سے انکار کر دیا اور آخر وہ خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پھر بھی انہوں نے ان کا استقبال نہ کیا بلکہ دیکھتے ہی کہا کہ تیرا دنیا میں رہنے سے بہتر یہ ہے کہ تو جلد اجل سے جا ملے۔"

اگر تحفۃ الکرام کی مندرجہ بالا عبارت کو قبول کیا جائے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ سید صلاح الدین حضرت شہباز قلندرؒ کے وصال کے بعد سیہون شریف آئے

---

[۱] سید ابراہیم اگر سید علی کے طالب ہوئے تو ان کے نام کی جدا گاہ کافی ہے۔ جس میں ہے کہ "خلیفہ نور محمد امی۔"

یا پھر یہ قیاس کرنا پڑتا ہے کہ سید صلاح الدین نامی اس خاندان میں کوئی اور بھی بزرگ گذرے ہیں جنہوں نے لعل شہبازؒ کی قربت حاصل کی تھی۔

سید پیر شاہ کے بعد ان کے بھائی نور شاہ سجادہ نشین ہوئے اور ان کا ظاہری نمونہ بھی ابدالوں کی طرح جو ابدالانہ اور رندانہ رہا۔ ان کے بعد حیدر شاہ انکے جانشین ہوئے جنہوں نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے نظر شاہ کو جانشین کر دیا تھا۔ نظر شاہ کے بعد ان کے بڑے بھائی اسد شاہ سجادہ نشین ہوئے اور اس کے بعد سید حیدر شاہ نے یہ منصب سنبھلا۔

کہا جاتا ہے کہ اس خاندان کے بہت سے افراد نے ضلع دادو کو اپنا وطن بنالیا۔

شیخ مکھن

تحفۃ الکرام میں بیان ہے کہ:

"قدیم زمانہ میں درگاہ کے متولی اور کلید بردار شیخ تھے۔ شیخ مکھن ان ہی شیخوں میں گذرے ہیں" تحفۃ الکرام میں لکھا ہے کہ:

"ایک دفعہ سادات نے شیخوں سے درگاہ کی چابی زبردستی لینے کی کوشش کی لیکن خدا نے چابی کی اس طرح لاج رکھ لی کہ کوشش کے باوجود وہ دروازہ نہ کھول سکے۔ یہاں تک کہ لوہاروں کو بلاکر بھی دروازہ کھولنے سے قاصر رہے۔ آخر ناکام ہو کر چابی شیخوں کے حوالے کی اور انہوں نے بآسانی دروازہ کھول دیا" (ص ۱۳۶-۱۳۷)

وہ یہی شیخ مکھن تھے جنہوں نے دروازہ کھولا تھا۔ ان کے زمانہ سے چابی شیخوں کے پاس ہی آتی ہے۔

مقامی روایات کے مطابق سید ولی محمد شاہ کو شیخوں نے از خود اپنا مرشد ہونے کی وجہ سے چابی بخشی تھی اور پھر وہ لوگ کلید بردار بن گئے۔

شاہ گودڑو

تواریخ یا تذکروں میں شاہ گودڑو کا احوال نہیں ملتا لیکن عوام میں مختلف روایات مشہور ہیں مثلاً ایک روایت ہے کہ:

"شاہ گودڑو کے والد بلخ بخارا کے بادشاہ تھے اور جب لعل سائیں ان کے شہر میں تشریف فرما ہوئے تو آپ نے عرض کیا کہ "میرے کوئی اولاد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ میرے فرزند ہو۔" لعل سائیں نے دعا فرما دی۔

شہباز" نے دعا کرتے ہوئے فرمایا کہ" اللہ تمہیں بیٹا دے گا لیکن اس میں ہمارا سا جھا ہو گا۔" بادشاہ نے یہ شرط منظور کر لی۔ آخر جب ان کے بیٹا ہوا تو انہوں نے زر و جواہر تول کر رکھ لیے اور لعل سائیں کے آنے پر ان کے سامنے رکھے تو لعل سائیں نے یہ کہہ کر اسے رد کر دیا کہ ہمارا دولت سے کوئی واسطہ نہیں ہم تو بیٹے میں حصہ لیں گے۔ جب یہ لڑکا لعل سائیں کے سامنے آیا تو انہوں نے اُسے اپنی گودڑی میں چھپا لیا اور بادشاہ سے کہا کہ جو کرنا ہے کر لے لیکن میں اس بیچے کو تھا

حاصل کروں گا اور اس کا نام "ادھم" رکھا۔

ادھم بڑا ہو کر سلطان ادھم کے نام سے مشہور ہوا لیکن پھر دنیا ترک کر کے بقیہ آدھی عمر فقیری میں گذار دی۔ ان کا مزار خیر پلور سے ۱۰ میل دور ایک پہاڑی پر ہے۔

لعل سائیں جب دوبارہ سیر و سیاحت کو نکلے تو ان کے ہمراہ گودڑی پہنے یہ بھی تھے۔ لعل سائیں نے انہیں خیر پلور کے پاس پہاڑی پر قیام کرنے کا حکم دیا چنانچہ بقیہ عمر وہ وہیں رہے۔

پیر پٹّو

ان کا کچھ ذکر اس سے قبل بھی آچکا ہے۔ ان کا اصلی نام حسین لقب شاہ عالم اور کنیت ابوالخیر ہے لیکن "شیخ پٹا" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے والد کا نام راجپار اور والدہ کا نام سلطانی تھا جو جام راد بن ثمرفو کی بیٹی تھی۔ یہ ٹھٹھہ کے آگے "آری"[۱] کے مقام پر رہتے تھے۔

آپ سندھ کے قدیم بزرگوں میں سے گذرے ہیں۔ تحفۃ الکرام میں درج ہے کہ:

---

[۱] آری ٹھٹھہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے۔

"شاہ جمیل گرناری (سید عبدالہادی بن سید عبد العطاس) بھی ان کے مرید تھے۔ ان کا مقبرہ شیخ بھٹی سے آگے ہے اور یہ شیخ بھٹی کی طرح ہمیشہ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔"[1]

اس ضمن میں تحفۃ الکرام کے ان کی بزرگی و کمال کے اعتراف کے سلسلے میں علامہ قاضی محمود کے مندرجہ ذیل الفاظ نقل کئے ہیں:

"اقدم اولیاء و اکرم واصلان۔ راہ خدامی باشد ور تعریفش چہ قدم مکی راہ رد نہ کرشمہ از ولا مقاماتش بدفتر نگنجند و اکثر شدہ ہمچو صاحب کمال کم برخواستہ۔"[2]

لعل سائیں اور حضرت غوث بہاؤ الحق جب سیر و سفر کرتے ہوئے آئے تو یہ ان سے ملے اور ان بزرگوں کے فیضِ نظر سے پیر پتو نے کمالات حاصل کیے۔

تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ:

"یہ سجادہ نشین صاحب کمال بزرگ گزرے ہیں۔ "شیخ ساچن" ان کے سجادہ نشین تھے۔"[3]

"انہوں نے ۶۳۷ھ میں وفات پائی اور انہیں اسی پہاڑ کے غار میں دفن کیا جہاں یہ عبادت میں مشغول رہتے تھے۔"

۱۔ جلد ۳ صہ ۲۵۲، ۲۵۳ ۲۔ تحفۃ الکرام ج ۳ صہ ۲۵۲

۳۔ تحفۃ الکرام ج ۳ صہ ۲۵۲

۱۲ ربیع الاول کو آپ کے مزار پر سالانہ عرس لگتا ہے۔ ٹھٹھ کے عوام کو آپ سے بڑی عقیدت ہے۔ حدیقۃ الاولیاء کے مصنف نے آپ سے اپنی عقیدت کا اس طرح منظوم اظہار کیا ہے:

"شیخ پتہ از سر صدق و یقین
شد مرید شیخ زکریا این
بعد ازاں آں گوہر بحر شہود
از نقاب، خنفا چہرہ کشود
ساخت عالم روشن از انوار خویش
کردہ ظاہر در جہاں آثار خویش
بر سر آن کوہ مسکن ساختہ
در زمیل - مو سوئے انداختہ

فیروز شاہ تغلق نے ۷۷۲ھ میں ٹھٹھ پر لشکر کشی کی۔ اس وقت ٹھٹھ کا حکمران جام بابینو تھا۔ اس نے تغلق کا مقابلہ کیا جس کے نتیجہ میں لشکر لے کر فیروز شاہ گجرات چلا گیا۔ ٹھٹھ کے لوگ اس پر بہت خوش ہوئے اور اسے اپنے پیر کی برکت تصور کرنے لگے۔ فیروز شاہ کا مورخ شمس الدین سراج تاریخ فیروز شاہی میں لکھتا ہے:

"ذوال کرت کہ سلطان فیروز از ٹھٹھ بے غرض سمت گجرات بازگشت ٹھٹھیان

این سخن را در وجہت ساختند و میگفتند "برکت" شیخ پٹھا اک موا اک نٹھا"

"اک موا" محمد تغلق کی جانب اشارہ ہے جو ٹھٹہ فتح نہ کر سکا اور واپسی میں مر گیا اور" ایک نٹھا" فیروز تغلق جانب اشارہ ہے جو ٹھٹہ فتح کیے بغیر ہی واپس چلا گیا۔

لعل بکر

پسنی بندرگاہ کے رہنے والے تھے اور لعل سائیں کی فیض نظر سے" لعل بکر" کا لقب ملا۔

لعل موسیٰ

یہ بزرگ ٹھٹہ کے رہنے والے تھے۔ تحفۃ الکرام نے ٹھٹہ کے قرب و جوار کے رہنے والوں میں ان کا ذکر کیا ہے کہ:

"مخدوم لعل شہباز رح سے فیض یاب ہوئے۔ ان کی آمد سمن حکمرانوں کے ابتدائی زمانہ میں ہوئی۔"

حضرت قلندر رح شہباز سومرو خاندان کے زمانہ میں گذرے ہیں اور سومروں کے بعد سمن برسر اقتدار آگئے۔[۱]

---

(۱) تحفۃ الکرام ص ۳۵۹

مخدوم بلاول:

مخدوم بلاول کا مرقد باغبان تعلقہ دادو میں ہے جہاں نوچندا جمعہ کو میلہ لگتا ہے یہ ایک بڑے عالم اور بزرگ درویش تھے۔ تحفۃ الکرام میں ان کا ذکر اس طرح ملتا ہے:

"یہ بڑے عارف و واصل باللہ بزرگ گذرے ہیں اور علوم ظاہری میں بھی بہت بڑا رتبہ رکھتے تھے[۱]"

یہ ایک بلند پایہ مصلح و محب وطن تھے۔ جب سمن حکمران جام نظام الدین کے عہد میں اس کے وزیر دریا خاں نے سندھ کی آزادی کے لیے تحریک چلائی تو یہ بزرگ اپنے خلفاء، سید حیدر سنائی، مخدوم ساہڑ سمیت ان کی تحریک میں کود پڑے۔

مرزا شاہ بیگ ارغوان سندھ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ سندھ کی آزادی کے تحفظ کی خاطر یہ بزرگ اپنے خلفا سمیت تلتفی کی لڑائی میں سمن سمیت کود پڑے اور آخر جب مرزا شاہ بیگ نے سندھ پر قبضہ کر لیا تو مولویوں سے فتوے حاصل کر کے انہیں شہید کروا دیا[۲]۔

۱؎ تحفۃ الکرام صہ ۳۵۹

۲؎ تاریخ معصومی صہ ۱۲۹ تا ۱۴۰

نوٹ:۔ تاریخ معصومی کے مطابق مرزا نے سندھ پر ۹۲۳ھ میں حملہ کیا۔

شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ :

سندھ کے شہرہ آفاق شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی بھی شہباز قلندرؒ کی درگاہ کے پابند تھے اور ان کی درگاہ سے فیض یاب ہوئے۔ فقراء کی روایت ہے کہ:

"بھٹ کے شاہ اولادی کی کافی میں شریک ہوتے تھے اور اکثر و بیشتر درگاہ پر آتے تھے۔ شاہ صاحب کے احوالِ زندگی میں بھی سہون میں آمد ثابت ہوتی ہے"۔

دین محمد وفائی نے "لطف اللطیف" میں تحریر کیا ہے کہ:

"شاہ صاحب کے گہرے دوستوں میں دین محمد سہوانی بھی ہیں (وفات ۱۱۹۲ء) شاہ صاحب سہون میں مخدوم دین محمد صدیقی کے ہمراہ سہون میں آتے رہتے تھے مخدوم دین محمد ایک بڑے عالم، صوفی اور طریقت سہروردیہ کے درویش تھے۔ مخدوم صاحب شرعی احکامات کے پابند تھے اور یہ میاں نور محمد کلہوڑا کو شرعی فیصلوں میں معاونت کرتے تھے اور فتوے صادر کرتے تھے[1]۔ انہیں شاہ لطیف سے اتنی محبت تھی کہ ایک دفعہ انہوں نے ان سے اپنی دستار تبدیل کی اور اس موقعہ پر کہا کہ یہ (لطیف) میرا بیٹا ہے[2]۔

---

[1] مخدوم دین محمد کے ایک فرزند مخدوم عبدالوحید سہوستانی گذرے ہیں جن کے فتوے آج بھی سندھ کے لوگوں کے لیے باعث عمل ہیں۔ [2] لطیف اللطیف۔ دین محمد وفائی ص ۸۹، ۹۰

محترم مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ ماہنامہ "نئی زندگی" مارچ ۱۹۶۱ء میں لکھا ہے:

"سندھ کے علماء میں شاہ لطیفؒ کے بہت سے احباب تھے جن میں ٹھٹھہ کے مخدوم محمد معین اور سہون کے قاضی دین محمد قابلِ ذکر ہیں۔"

اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ لطیف سہون آتے رہتے تھے اور جب آتے ہوں گے تو یقیناً ان کی درگاہ پر بھی حاضری دیتے ہوں گے۔

حضرت قادر بخش بیدل:

روہڑی کے زبردست عالم صوفی اور سندھ کے عظیم شاعر حضرت قادر بخش بیدل (ولادت ۱۲۳۰ھ ۱۸۱۴ء - وفات ۱۶ ذیلقعد ۱۲۸۹ھ) بھی ان کے فیض سے مستفیض ہوئے۔ ۱۴ سال کی عمر میں تمام ظاہری علوم سے فراغت حاصل کرلی حضرت قلندرؒ شہبازؒ کے مزار پر سہون جاتے رہے اور شہباز سے اتنے متاثر ہوئے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ ان کے ہی ہو رہے یہاں تک کہ ان کی اجازت کے بغیر شعر و سخن سے بھی گریز کیا اور جب انہوں نے اجازت دی تو عربی فارسی اور اردو میں غزلیں کہیں۔ شہباز قلندرؒ کے اثر سے عرصہ تک سندھی کا استعمال ترک چھوڑ دیا اور وہ جو بھی بات کرتے تھے اس کا یہ اردو میں جواب دیتے تھے۔

گردمل لکھتے ہیں کہ:[1]

"ایک عرصہ کے بعد سندھی میں کاروبار شعرو سخن کی طرف مائل ہوئے تو سندھی میں بھی بلند پایہ شعر کہے اور اس کے علاوہ عربی، فارسی، اردو، ہندی اور سرائیکی میں اعلیٰ درجہ کے شعر کہے"۔

بیدل نے شعرو شاعری کے علاوہ کئی عربی، فارسی نثر کی کتب بھی قلمبند کیں اور ان کی جملہ اٹھارہ تصانیف ملتی ہیں۔ انہوں نے اردو، فارسی، سرائیکی اور سندھی میں شہباز قلندرؒ کی شان میں بھی اشعار کہے ہیں۔

بیکس سائیں:

بیکس سائیں قادر بخش بیدل کے فرزند تھے اور انہوں نے بھی لعل سائیں سے روحانی فیض حاصل کیا تھا۔ ۲۸ر جمادی الثانی ۱۲۷۵ھ بمطابق ۲ر فروری ۱۸۵۹ء میں روہڑی میں پیدا ہوئے۔ جواں سالی میں ۱۲۹۸ھ بمطابق ۱۸۸۲ء انتقال ہوا۔ انہوں نے بھی شعرو شاعری کو اپنا وسیلۂ اظہار بنایا اور شہباز قلندر سے اپنی عقیدت کا اظہار انہوں نے بھی اپنی مختلف مدحوں میں کیا ہے۔

---

[1] دیوان بیدل - از گردمل ہرجانی ص ۱۹

سید ناٹھن شاہ:

"سید ناٹھن شاہ ولد سید محمد معین لکھوی، سید گلاب شاہ ولد سید صلاح الدین (جو حضرت قلندر شہباز کے سجادہ نشین تھے) کے مرید تھے۔ حضرت قلندر شہباز کی یاد میں ٹھٹہ میں آستانہ بنایا۔"

نین شاہ:

پرانے زمانہ کے ایک مشہور اللہ والے بزرگ گذرے ہیں۔ یہ سندھی کے ایک بہترین شاعر تھے۔ گڑھی یاسین کے رہنے والے تھے۔ حضرت شہباز قلندر کے بہت عقیدتمند تھے اور ان کے فیض سے مستفیض ہوئے۔ اپنی جائیداد وغیرہ چھوڑ کر سہون آ گئے۔ یہاں وہ "کافی" گاتے تھے جو آج تک ان کے نام سے مشہور ہے۔

مقبرے کی رسومات

حضرت قلندر شہبازؒ کی درگاہ پر تین وقت نوبت لگتی ہے۔ ایک شام کے وقت، دوسری رات ۲ بجے تہجد کے وقت جبکہ دروازہ بند کیا جاتا ہے اور تیسری صبح صادق جب درگاہ کا دروازہ دوبارہ کھول دیا جاتا ہے۔ اس نوبت کے اوقات کا مقرر کرنے کے لیے قدیم زمانہ کے مختلف اقسام کے گھڑیال رکھے ہوئے ہیں اور ایک بہت بڑی دیگ میں پانی بھرا ہوا ہے جس میں ایک سوراخ دار گڑوی پڑی ہوتی ہے جس میں باریک سوراخ سے پانی رس رس کر اندر آتا رہتا ہے جس کی سطح سے اوقات معلوم ہوتے رہتے ہیں اور جب ایک گھنٹہ گذر جاتا ہے تو نوبت پر چوٹ لگائی جاتی ہے جس سے ایک گھڑی گذرنے کا اعلان ہوتا ہے۔ اُسے ایک وقتی نوبت کی دھمال کہا جاتا ہے۔

دھمال سندھ کے دیگر بزرگوں کی درگاہوں پر بھی لگتی ہے۔ دراصل دھمال

ہندی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لغوی معنے "شوروغل" "تھپ" اور "چوٹ" اور "دھما چوکڑی" وغیرہ کے ہیں۔ اصطلاحاً یہ ایک قسم کا راگ ہے جو فقیر عموماً الاپتے ہیں۔ سندھی لغت مطبوعہ ۱۸۷۳ء کے مطابق:

"دھمال ایک سُر کا نام ہے جو ہولی کے زمانہ میں الاپا جاتا ہے اور "دھمار" ایک تار کا نام بھی ہے۔"

"راگ ساگر" صہ ۲۴۰ میں لکھا ہے کہ:

"دھمار میں ۱۴ ماترائیں ہوتی ہیں۔ دھمال میں دھل یا نقارہ خاص وجد پیدا کرتا ہے۔"[۱]

جب یہ راگ بلند ہوتا ہے اور جب فقراء وجد میں آتے ہیں اور یہ حلقہ باندھ لیتے ہیں اور مست قلندر مست قلندر کا نعرہ مستانہ بلند کرتے ہیں۔ دو دفعہ آہستہ آہستہ مست قلندر، مست قلندر اور پھر ایک دفعہ پُرجوش طریقے سے مست قلندر کا نعرہ لگا کر ایک پاؤں آگے اور ایک پاؤں پیچھے کرتے رہتے ہیں۔

"سرباں" کی رائے ہے کہ لعل سائیں کے شیدائی عملی طور پر ذکر و فکر کے قائل ہیں اور جب ان پر نیند کا غلبہ ہونے کا امکان ہوتا ہے تو یہ راگ الاپتے

۱۔ "سرباں" از عبد حسین شاہ موسوی صہ ۷۷

اور دھمال کرتے ہیں جس سے انہیں دوبارہ فکر و ذکر کا از سرِ نو موقع مل جاتا ہے۔[1]

مولانا رومیؒ نے اپنے مریدوں میں جو سماع کا طریقہ رائج کیا تھا وہ لعل سائیں کی درگاہ کی دھمال سے کافی مشابہت رکھتا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے "حیات[2] رومیؒ" میں مولانا رومیؒ کے سماع کا اس طرح ذکر کیا ہے:

"ذکر و شغل کا یہ طریقہ ہے کہ حلقہ بنا لیتے ہیں۔ ایک شخص اٹھ بیٹھتا ہے اور ایک ہاتھ سینے پر اور ایک ہاتھ نیچے رکھ کر رقص کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ رقص میں آگے پیچھے نہیں بڑھتے بلکہ متصل چکر لگاتے رہتے ہیں اور سماع کے وقت دف یا نے بھی بجاتے ہیں۔"

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا رومی کی محفل سماع دھمال سے کافی مشابہت رکھتی ہے۔ صرف زمان و مکاں کا فرق ہے۔ اس بات سے یہ امر بھی ثبوت کو پہنچتا ہے کہ حضرت شہباز قلندرؒ محفل سماع کے قائل تھے۔

اس ضمن میں ملتان والا واقعہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے جس کا ذکر (طریقت) قبل ازیں آچکا ہے۔ حضرت قلندر شہبازؒ کے احباب شیخ بہاؤالدین ملتانی بھی سماع کے قائل تھے۔ ملا جمالی اور فرشتہ (۲ : ۷۶۳) نے عبداللہ کے قول سے یہ بات پیش

۱۔ "قربان" از عبد حسین شاہ موسوی ص ۷۷ تا ۸۱

۲۔ "سوانح رومی" از مولانا شبلی نعمانی ص ۲۹۲

کی ہے کہ حضرت شیخ الاسلام اور ان کے مرشد شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی بھی سماع کے قائل تھے۔

حضرت شہباز قلندرؒ پہلے قلندری مشرب کے ہیں پھر سہروردی طریقت کے اثر سے سماع اور رقص و سرود کو جائز قرار دیتے ہیں جس سے قلب میں نرمی اور نرمی سے محبوب کی توجہ حاصل ہوتی ہے اور اس طرح سرود و سماع محبوبِ حقیقی کے وصال کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت قلندر شہبازؒ نے اپنی مخصوص سماع کو عبادت جیسا درجہ عطا کر رکھا تھا۔

قلندر نامہ کے مصنف "ردالمحتار" جیسی شرعی کتاب میں ان کے وقت کی نوبت کا جواز نکال لیتے ہیں اور لکھتے ہیں:

"چوکس اور بیدار رکھنے کے لیے نوبت بجانی جائز ہے۔ سہ پہر سے شام تک جو نوبت لگتی ہے وہ نزع اور شام سے تہجد تک کی نوبت موت اور تہجد والی نوبت قیامت کے اشارے کے لیے لگائی جاتی ہے۔"[1]

میلہ کی دھمال

دھمال یوں تو روزانہ شام سے شروع ہو جاتی ہے پھر اپنے تینوں اوقات

---

[1] قلندر نامہ ص ۴۴۔

پر بج کر صبح کی اذان سے قبل ختم ہوجاتی ہے۔ ان روزانہ کی دھمال کے لیے ایک چھوٹا نقارہ رکھا ہے لیکن بڑی تقریبات اور بالخصوص میلہ کے موقع پر ایک بہت بڑا نقارہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کا نقارچی درگاہ کے بڑے دروازے پر کرسی بچھا کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس طرح روزانہ تو دھمال کا نقارہ درگاہ کے اندرونی حصہ میں بجتا ہے۔ عرس کے دوران کھلی جگہ پر نقارے پر چوٹ لگائی جاتی ہے اور مست قلندر کے مستانہ نعروں سے فضا گونج اٹھتی ہے۔ دور دراز علاقوں سے حضرت شہباز قلندر کے متوالے، ہاتھوں میں جھنڈے، پیروں میں گھنگھرو اور ہاتھوں میں کڑے ڈالے سہون کی زمین کی جانب رواں دواں ہوتے ہیں۔

حضرت شہباز قلندرؒ کا عرس ۱۸، ۱۹، ۲۰ شعبان تین روز مسلسل رہتا ہے۔ عام دنوں میں تو سب فقرا مشترکہ طور پر دھمال کرتے رہتے ہیں لیکن عرس کے موقعہ پر مختلف حلقوں اور گروہوں کے فقراء جدا جدا اپنی کافیاں پیش کرتے ہیں اور دھمال و نوبت سے اظہار عقیدت پیش کرتے ہیں۔

سب سے پہلے "ابدال" کی کافی فقرا اپنے مقررہ وقت پر دھمال کرتے ہیں۔ پہلے یہ دھمال باہر شروع ہوتا ہے اور کچھ دیر کے بعد اندر زیارت کے لیے چلے جاتے ہیں۔ جب مقررہ وقت ختم ہوجاتا ہے تو یہ واپس چلے آتے ہیں۔ اس کے بعد کچہری کی کافی گانے والے فقیر اپنے مخصوص لہجہ اور انداز میں خراج تحسین ادا کرتے ہیں۔ پھر سخی سلطان" کے فقراء، اس کے بعد" اولادِ امیر" ابراہیم شاہ بودی بہار، جمن جتی،

دودی حقانی، حاکم علی شاہ، مزاری شاہ، باری باری کافیاں پیش کرتے رہتے ہیں اور زیارت کا سلسلہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ ۲۰ رتاریخ آجاتی ہے۔ عرس کا سلسلہ منتشر ہونا شروع ہوجاتا ہے اور دور دراز کے پردیسی اپنے اپنے گھروں کو سدھار جاتے ہیں ۔

شہباز قلندرؒ کی مہندی :

دھمال کا سلسلہ تین روز تک جاری رہتا ہے لیکن ہر شام العل شہباز قلندر کی مہندی نکالنے کی رسم ہوتی ہے ۔ پہلے روز ۱۸ ر شعبان کو سید گل محمد شاہ مہندی نکالتے ہیں ۔ مہندی کی شان و شوکت اور جاہ پر جتنے اخراجات ہوتے ہیں وہ اسی سادات گھرانے کی جانب سے کیے جاتے ہیں یہاں تک کہ مہندی جس تھال میں جاتی ہے وہ بھی اسی خاندان کی مٹی سے بنوائی جاتی ہے جس پر ریشمی کپڑے کی جالی ڈھکی ہوتی ہے ۔ بہت سے صوفی و فقراء مہندی گاتے ہوئے آتے ہیں اور وجدانی حالت میں گاتے، ناچتے اور رقص کرتے درگاہ کی جانب رواں دواں ہوتے ہیں ۔ یہ مہندی عشاء کے وقت درگاہ پہنچ چکی ہوتی ہے ۔

۱۹ ر شعبان کو فقیر مولچند کی جانب سے اسی شان و شوکت اور دلچسپ جوش و خروش سے مہندی نکالی جاتی ہے ۔ اس مہندی کے ساتھ ہی سرکس کے حیرت انگیز تماشے ہوتے ہیں ۔

لعل شہباز قلندرؒ کی حیاتِ مقدسہ میں اس خاندان کا ایک فرد جھتو ان کا معتقد ہو گیا تھا اور لعل شہباز قلندر کی اس پر خاص نظر کرم تھی۔ اسی رشتہ سے یہ ہندو خاندان آج بھی عزت واحترام سے لعل شہباز قلندرؒ کی مہندی کی رسم ادا کرتا ہے۔

تیسرے روز یعنی ۲۰ شعبان کو "قانون گو" خاندان کی جانب سے مہندی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ قانون گو لعل شہباز قلندر کے عہد کی ایک بااثر شخصیت تھی اور جب قلندرؒ شہباز کا ان کے علاقے سے گذر ہوتا تھا تو آپ ان کے پاس قیام کرتے تھے۔ اس علاقے میں ایک حسین و جمیل خاتون بھی آتی تھیں۔ روایت ہے کہ اس خاتون کا جب انتقال ہوا تب بھی وہ شہباز قلندرؒ کے پاس تھی۔ اس نے شہباز قلندرؒ کے قدموں میں ہی دم توڑ دیا اور اس کا جنازہ اس قدر بھاری ہو گیا کہ اس کے عزیز اسے نہ اٹھا سکے۔ آخر اسے اسی جگہ دفن کر دیا اور اس کی یاد میں قانون گو اسی دروازے سے مہندی اٹھاتے ہیں۔ مہندی اٹھتے وقت آتش بازی بھی چھوڑی جاتی ہے۔

حضرت شہباز قلندرؒ اپنی حیات طیبہ میں مکران بھی تشریف لے گئے تھے۔ لاکھوں مکرانی آج بھی آپ کے معتقد ہیں۔ اہل مکران اس عرس کے موقعہ پر اپنا جداگانہ میلہ لگاتے ہیں۔ لنگر بھی الگ لگاتے ہیں۔ مکرانی اس عرس کے علاوہ بھی ۲۷ رجب اور محرم میں درگاہ میں حاضری دینے آتے ہیں اور اس موقع پر بھی،

جیسا سماع ہو جاتا ہے۔

بہاولپور اور ملتان کے لوگوں کی بھی ایک بڑی تعداد آپ کی دلدادہ ہے اور وہ بھی گروہ در گروہ میلے میں شرکت کرنے کے لیے آتے ہیں۔ یہ لوگ بھی راگ و رنگ اور سرود و رقص سے عرس میں شرکت کرتے ہیں۔

یادگاریں

لعل شہباز قلندرؒ نے ایک عرصہ تک سیر و سیاحت فرمائی اور ریاضتیں کیں، اس لیے کچھ مقامات مقدسہ ایسے ہیں جو شہباز قلندرؒ کی یادگاروں کے طور پر مشہور ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ دشتِ شہباز :

دشتِ شہباز کا ذکر اس سے قبل بھی آچکا ہے۔ آپ جب بغداد سے مکران کے راستہ ہند میں تشریف لائے تو مکران میں کچھ عرصہ قیام پذیر ہو کر چلہ کشی کی اور

ہزاروں مکرانی آپ کے اسی جگہ مرید ہو گئے ۔ یہی مقام آج بھی دشتِ شہباز کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور شہباز قلندرؒ کی یادگاروں میں افضل مقام رکھتا ہے ۔ یہ وادی پنج گور اور گہر رخشاں کے جنوب میں ایک سرسبز میدان ہے ۔

۲۔ گنجو ٹکر

یہ مقام حیدر آباد سندھ میں کوچہ غلام حسین میں واقع ہے ۔ اس مقام پر بھی حضرت شہباز قلندرؒ نے چلہ کشی فرمائی تھی ۔

۳۔ کندری نہر

لعل شہباز قلندرؒ کی حضرت منگھو پیر سے ملاقات کا ذکر ایک مقام پر آچکا ہے ۔ حاجی منگھو جس پہاڑ پر رہتے تھے وہاں ایک چشمہ پھوٹ پڑا تھا جو آج بھی کوڑھی اور جذام کے مریضوں کے لیے دارالشفا کی حیثیت سے مشہور ہے ۔

تحفتہ الکرام میں آیا ہے کہ :

"حاجی منگھو کے پہاڑ میں مخدوم شہباز قلندرؒ کی یاد میں کندامی نام کی ایک نہر ہے جس کے کنارے ایک باغ میں قلندر شہبازؒ نے قیام کیا تھا"

منگھو پیر آج بھی کراچی کے قریب فقراء اور مریضوں کے لیے باعث کشش مقام کی حیثیت رکھتا ہے ۔

۴۔ یک ٹھپی

سہون کے جنوب میں ریلوے اسٹیشن کے نزدیک پہاڑ میں ایک غار ہے جسے یک ٹھپی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس ضمن میں ودار کا پرشاد شرما رقمطراز ہے کہ:

۲۵ ہزار سال قبل جب انسان غاروں کا باسی تھا تو یہ غار انسان کی آماجگاہ تھا' اس غار میں شہباز قلندرؒ نے چلہ کشی کی تھی۔ غار کے وسط میں پتھر کی ایک بڑی سی سل رکھی ہے جسے یک ٹھپی کہتے ہیں۔ غار میں قبلہ رُخ ایک محراب ہے کہا جاتا ہے کہ اسی جگہ حضرت شہباز قلندرؒ عبادت کیا کرتے تھے اس کے نیچے ایک ہموار پہاڑی ہے جو فرش کے طور پر استعمال ہوتی ہو گی' اس پر تقریباً تین چار سو افراد کے بیٹھنے کی گنجائش موجود ہے۔

۱۰۰۹ھ۔ ۱۰۰۸ھ میر ابوالقاسم نمکین سہون کے صوبیدار مقرر ہوئے۔ وہ چاندنی راتوں میں اسی جگہ اپنی کچہری لگایا کرتے تھے۔

اس غار کے بارے میں اہل سندھ اس روایت کے بھی راوی ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قدم مبارک بھی اس غار میں آئے تھے۔ تاریخ مظہر شاہجہانی میں میرک یوسف نے لکھا ہے:

"میگویند کہ نظر گاہ حضرت علیؓ است۔"

کوزنس اور ڈاکٹر ولسن نے اپنی کتاب "سندھ" ۱۹۲۹ء صـ ۲۵ پر ہندوستان کے غاروں اور مندروں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس غار کے ضمن میں لکھا ہے کہ:

"یک ٹھٹی کی شمالی سمت ایک مزار ہے جس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ یہ مزار ہے ـــــ جو لعل سائیں کے ایک طالب کی قبر ہے ـــــ ایک دوسری روایت ہے کہ یہ قبر ایک اس دولت مند سوداگر کی ہے جو دنیا و دولت چھوڑ کر لعل سائیں کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا"[1]

۵۔ لعل باغ

سیہون کے جنوب میں ریلوے لائن پار "لعل باغ" ہے جس میں کھجور، لیموں، اور بیر وغیرہ کے لاتعداد درخت ہیں اور اس سے ملحقہ پھول و پھلواری کے تختے ہیں۔ یہ باغ "لعل باغ" کے نام سے حضرت قلندر شہباز کی عقیدت کی وجہ سے مشہور ہے جس میں آبیاری کے لیے کاریزی کا مناسب بندوبست ہے جسے "لعل واہی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی باغ کا ایک اہم حصّہ "لعل جو لٹو" کے نام سے مشہور ہے۔ اس جگہ بھی حضرت شہباز قلندر نے چلّہ کشی کی تھی۔ باغ سے تھوڑے فاصلہ پر پہاڑ میں چشمہ ہے جس سے باغ کے حوضوں کا

---

[1] "سندھ" از کوزنس۔ ۱۹۲۹ء صـ ۴۵

سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ چشمہ لعل شہباز قلندرؒ کی آمد سے قبل نہیں تھا لیکن ان کی آمد پر قدرت نے یہ چشمہ جاری کر دیا جس کی وجہ سے یہ باغ بھی وجود میں آ گیا۔

اس کے قریب کی پہاڑی کو "حضرت علیؓ" کا کوہ کہا جاتا ہے، یہاں پر بھی حضرت شہباز قلندرؒ کے چلّہ کی جگہ ہے۔

"لعل باغ" کا رقبہ تقریباً ۵۰۰ ایکڑ ہے۔

گلہائے عقیدت

حضرت شہباز قلندرؒ کے برصغیر پاک و ہند میں کروڑوں عقیدت مند ہیں جس میں عوام الناس کے علاوہ دانشور، علماء اور فضلاء بھی شامل ہیں۔

بہت سے معروف بزرگوں، شاعروں اور عقیدت مندوں نے اپنے اشعار میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

حدیقۃ الاولیاء (قلمی) میں سندھ کے بہت سے ایسے بزرگوں کا تذکرہ موجود ہے جنہوں نے ان کے اوصافِ حمیدہ اور اخلاق عالیہ کو طویل قصیدہ کی شکل میں رقم کیا ہے۔

حدیقۃ الاولیاء میں حضرت شہباز قلندرؒ کا بھی تذکرہ ہے۔ جس کے چند اشعار ذیل میں دیئے جا رہے ہیں۔

شاہ باز نشیمن لاہوت

شاہ اورنگ خطۂ ملکوت

اہلِ دل عارف معارف حق
صاحب وجد و تارک مطلق
بحر عرفان کنوز دانائی !
مہر ایقاں چراغ بینائی
دم بدم رحمتِ خداوندی
باد بر روحِ شاہِ مروندی

شرف الدین

برصغیر کے مشہور بزرگ شاہ شرف الدین جب آپ کی زیارت مبارکہ کو تشریف لائے تو آپؒ کی زیارت کرتے ہی بے اختیار شرف الدین کے دہن مبارک سے نکلا کہ :

عجب دیدم بدرگاہ قلندر
نجف چوں مشہد نور منور
طواف تربت آں شاہِ سرور
ثوابِ غازیان و حجِ اکبر

سچل سرمستؒ :

سندھ کے مشہور صوفی اور شاعر (ولادت ۱۷۳۹ء وفات ۱۸۲۶ء) نے

آپ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے :

"سچا میرا مرشد سخی قلندرؒ"

ایک اور ہندی مصرعہ میں فرماتے ہیں :

"قلندرؒ جوگی کیسی بین بجائی"

بیدل بیکس :

بیدل بیکس بھی سندھ کے معروف بزرگوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ نے حضرت قلندر شہبازؒ کی شان میں اردو، فارسی اور سندھی میں بہت سے اشعار کہے ہیں۔

حضرت بیدل نے آپ کی تاریخِ وفات کو اس طرح منظوم کیا ہے :

دل چوں تاریخ وصالش بجستہ زسروش
ہاتف گفتہ کہ او لعل عین عرفان بود

عثمان سانگی :

لاڑکانہ کے مشہور شاعر عثمان سانگی (ولادت ۱۷۷۸ء وفات ۱۸۶۰ء) مشہور شاعر

ے: "سندھ میں اردو شاعری" سید معراج نیر۔ ۱۹۷۱ء لاہور

اور نوشہرہ کے نقشبندی بزرگ خواجہ عبدالحئی کے مرید تھے۔ آپ نے حضرت شہباز قلندرؒ کی شان میں اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے:

حق نور جلال اللہ مست وار قلندر

قلندر صوفی عین صفا سردار قلندر

فقیر خیر محمد

آپ کے پیر بھائی فقیر خیر محمد نے آپ کی شان میں اس طرح ایک کافی کہی ہے:

ہوا حاضر حسینی ہے قلندر لعل مروندی

تیری ہر سمت ہے راکھا ہے ہند و سندھ بھی سارا

کابل، کشمیر، قندھارا، بلخ، بیحد سمرقندی

قلندر لعل مروندی

نشان علی فقیر

نشان علی فقیر کا سلسلہ بھی آپ کے بزرگوں سے جا ملتا ہے۔ آپ کے اشعار فقیر ہدایت اللہ نجفی نے مرتب کیے ہیں جو آج بھی قلمی نسخے کی صورت میں موجود ہیں۔ نشان علی نے حضرت شہباز قلندر کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا ہے:

عرشِ زمین پہ طبل تمہارا　　　ہوئی نوبت بجے نقارا

ملک، فلک پہ کریں اشارہ   جبکہ ہو ورد تمہارا

سید ثابت علی شاہ:

سید ثابت علی شاہ نے اپنی سوانح عمری میں ایک جگہ بڑی عقیدت سے آپ کا ذکر فرمایا ہے، جو ایک مدیدۂ کی شکل میں ہے۔

سیر گاہِ صادقان، خلوت سرائے عارفاں
مامن متوکلاں، آرام گاہ اولیاء
بارک اللہ شہر سہون، سندھ کے دارالامان
آہ دارالاولیا سندھ ہو گیا اصلِ وجود
شہر سہون ہے امن و شاہ عالم کی پناہ
شہر سہون کشتی، نوح و قلندرؒ ناخدا
شہر سہون جس کا ہے شہباز حسینی شہر یار
اے خدا یہ شہر یار شہر ہو دائم بقا

صورت بہار:

دیوان "صورتِ بہار" صورت سنگھ (ولادت ۱۸۲۳ء وفات ۱۸۷۷ء)

۱؎ سندھ میں اردو شاعری کا ارتقاء، سید معراج نیر، لاہور ۱۹۷۱ء

سندھ کے مشہور شاعر ہو گزرے ہیں اور انہوں نے چند اردو مناجات بھی لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک مناجات میں ایک بند شہباز قلندرؒ کی شان میں اس طرح ہے۔

دم مست قلند شاہ، شہباز قلندرؒ
ہم دست خداوند کا ہم راز قلندرؒ

★

سلطان فقیروں کا حقیروں کا ہے صاحب
بخشندہ اسیروں کا غریبوں کا ہے راہب
حاکم ہے امیروں کا، یتیموں کا ہے یارب
مختار ملائک کا ہے مولا کا ہے نائب

کریم بخش چند:

قطب و رند ربانی ہمارا شاہ مروندی
ہے یار غوث صمدانی، ہمارا شاہ مروندی

★

سراپا نور رحمانی ہمارا شاہ مروندی
جہاں میں ظل سبحانی، ہمارا شاہ مروندی